ماہنامہ
چیف ایڈیٹر: محمود شام
انتہاؤں میں رابطہ
114

اطراف کراچی

جنوری 2024

نیا سال مبارک

2024 انتخابات کا سال

قیمت: پاکستان میں 400 روپے
بیرون پاکستان۔ 5 ڈالر

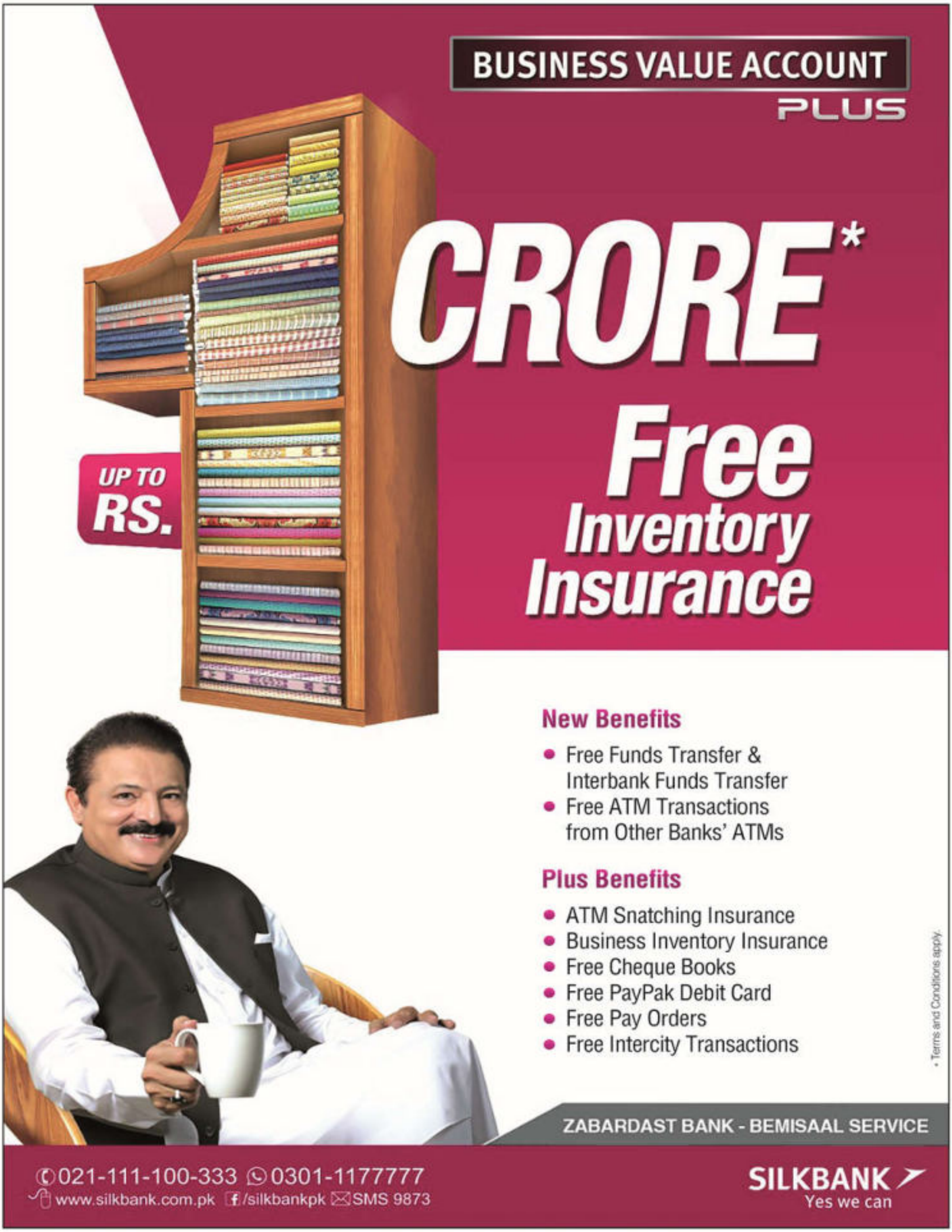
BUSINESS VALUE ACCOUNT
PLUS
UP TO
RS.
CRORE*
Free
Inventory
Insurance
New Benefits
Free Funds Transfer & Interbank Funds Transfer
Free ATM Transactions from Other Banks' ATMs
Plus Benefits
ATM Snatching Insurance
Business Inventory Insurance
Free Cheque Books
Free PayPak Debit Card
Free Pay Orders
Free Intercity Transactions
* Terms and Conditions apply.
ZABARDAST BANK - BEMISAAL SERVICE
021-111-100-333 0301-1177777
www.silkbank.com.pk /silkbankpk SMS 9873
SILKBANK
Yes we can

باقاعدہ تصدیق شدہ اشاعت ABC certified

انتہاؤں میں رابطہ

ماہنامہ

اطراف

کراچی

جلد 11: شمارہ: 01

جنوری 2024

قیمت فی پرچہ: 400 روپے۔ سالانہ: 4000 روپے۔ بیرون ملک۔ 50 ڈالر

چیف ایڈیٹر : محمود شام
mahmoodshaam@gmail.com

ایڈیٹر : خان ظفر افغانی

ریذیڈنٹ ایڈیٹرز: تنویر شہزاد (لاہور)، عبدالغفور چوہدری (کینیڈا)

نگراں شعبۂ اولاد۔ تربیت۔ تواضع : رخشندہ محمود نمائندہ خصوصی : محمد اجمل (کوئٹہ)

ڈیزائن : محمد شاہد رفیق : عکاسی : شکیل قریشی : مارکیٹنگ: محمد آصف : 0331-0063311

سرکولیشن منیجر: راجہ شاہد : 0300-8210636 , 0332-2561774

ویب سائٹ اہتمام : www.launchpad.pk

پبلک اور میڈیا پبلشرز : دی پیسج : www.thepassagepr.com

قانونی مشیر : نفیس صدیقی ایڈووکیٹ سپریم کورٹ nafislaw@cyber.net.pk

جنوری خاص 2023 کیسا گزرا۔ 2024 کیسا ہوگا؟

☆ سروے رپورٹ 19-27

2024 الیکشن، پاکستان کی سالمیت کے لیے بہت حساس — اطرافیہ — 05

غذائیت میں افادیت — ☆ سید ارتقا احمد زیدی — 7

2024۔ امریکی صدارتی انتخابات کا سال — ☆ مشتاق صدیقی — 11-13

2024۔ انڈیا میں انتخابات کا سال — ☆ کیرن سا ہنی (دہلی) — 14-16

2024۔ بنگلہ دیش کے انتخابات — ☆ احتشام ارشد نظامی (شکاگو) — 17-18

اگر میں وزیر تعلیم ہوتا...... — ☆ جہاں آراء — 31-34

عمر کا سورج — ☆ سعیدہ افضل کی آپ بیتی — 35-38

آگ سے بچاؤ کیسے۔؟ — ☆ کمانڈر نعیم یوسف — 41-42

حیدرآباد۔ 1947 سے تا حال — ☆ پروفیسر حسن راشد — 43-46

بین الاقوامی کتاب میلے میں 'اطراف' — ☆ تصویری جھلکیاں — 47-48

مشرقی پاکستان بنگلہ دیش کیوں بنا؟ — ☆ سید ارتقا احمد زیدی — 49-50

تعلیم و تدریس الخدمت کے سنگ — ☆ انعام الحق اعوان — 51-52

شمس العلماء داؤد پوتہ لائبریری — ☆ پروفیسر شاداب احمد صدیقی — 53-55

تذکرہ کتابوں کا — ☆ خان ظفر افغانی — 69-71

آرٹ گیلری — ☆ خان ظفر افغانی — 72-73

یونیورسٹیاں | تربیت | ٹی وی ڈرامہ | حسن و زیبائش | تیمارداری | یادداشتیں

لائبریریاں | سائنسی ادارے | معیشت | سیاحت | مشترکہ خاندان | بین الاقوامی کتابیں

ایڈیٹر پبلشر: طارق محمود شام۔ پرنٹر: اسلم ذکی عائشہ پرنٹرز۔ مقام اشاعت : اے 262 بلاک 3 گلشن اقبال کراچی۔

خط و کتابت صرف اس پتے پر: اے 262، بلاک 3، گلشن اقبال، کراچی۔ فون: 0300-8210636

ای میل: Mahmoodshaam@gmail.com ویب سائٹ: www.atraafmagazine.com

Kundun

Now Introduces 3 - 5 Pieces New Design Trolly Bags With Small Beauty Case Different Colour Original Fiber Material JIAN LUGGAGE Is The Best Way For Travelling

Also Deals in Shawls , Kashmir Shalws, Pashmina, Embroidery Shahtoosh, Kalamkar & Jamawar

Address: Adullah Haroon Road Opp. Hotel Metropole.
Ph: +92 21 35686641-42 Fax: +92 21 35684349

2024 الیکشن، پاکستان کی سالمیت کے لیے بہت حساس

نیا سال مبارک!

یہ سال بھی 2023 سے کچھ مختلف نہیں ہوگا۔ بلکہ پاکستان کے لیے زیادہ مصائب اور پیچیدگیاں لاسکتا ہے۔ امید کی جارہی ہے کہ 8 فروری یوم حق رائے دہی ہے۔ لیکن اس ملک میں یوم حق رائے دہی ملتوی بھی ہوتے رہتے ہیں۔

2024 صرف پاکستان میں ہی نہیں امریکہ۔ بھارت اور بنگلہ دیش میں بھی انتخابات کا سال ہے۔ تینوں ملکوں میں بھی کانٹے کے مقابلوں کا امکان ہے۔ بنگلہ دیش اور پاکستان میں پہلے سے انتخابی نتائج کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ 'اطراف' اپنے طور پر کوشش کرکے قارئین کو امریکہ۔ بھارت اور بنگلہ دیش کی انتخابی صورتِ حال سینئر تجزیہ کاروں کی معروضی تحریروں سے آگاہ کررہا ہے۔ پاکستان کی صرف انتخابی نہیں مجموعی صورتِ حال انتہائی محتاط جائزے کا تقاضا کرتی ہے۔ ذرا سوچئے کہ جہاں پولیس ایک امکانی فاتح پارٹی کے امیدواروں کے کاغذات چھین رہی ہے وہاں کے انتخابات کتنے منصفانہ ہوں گے۔

لاکھوں ماؤں بہنوں بیٹیوں۔ بھائیوں بیٹیوں کی قربانی سے حاصل کیا گیا ملک۔ سرحدوں پر کتنے جانبازوں کی شہادتوں سے بچایا گیا وطن۔ اچھی حکمرانی اور جمہوریت کے لیے تختۂ دار چومنے والوں کی سرزمین ایسی سنگین مسائل سے کیوں دوچار ہے۔ اس کا ذمہ دار کون ہے۔ اب بھی جو انتشار ہے۔ اضطراب ہے۔ اس کا سزاوار کون ہے۔ اب پاکستان میں انتخابات کے موقع پر مقابلہ سیاسی پارٹیوں کے درمیان نہیں ہے۔ بلکہ پاکستانی عوام اور حکمران طبقوں کے درمیان ہے۔ پاکستان کے حکمران طبقوں کو بین الاقوامی حکمران طبقوں کی سرپرستی حاصل ہے لیکن پاکستان کے عوام کو بین الاقوامی رائے عامہ کی حمایت میسر نہیں ہے۔

قومی سیاسی جماعتیں حکمران طبقوں کی گماشتہ بنی ہوئی ہیں۔ وہ اب تک سرپرستوں کا تعاون حاصل کرنے کی یقین دہانی کی منتظر ہے۔ اب الیکشن شیڈول کا اعلان ہوچکا ہے۔ کاغذات نامزدگی داخل کیے جارہے ہیں۔ لیکن کسی پارٹی نے اپنا انتخابی منشور مرتب نہیں کیا ہے۔ سیاسی پارٹیاں انتخابی جلسے نہیں کررہی ہیں۔

ملک وجود وعدم کی سرحد پر کھڑا ہے۔ 1۔ سیاسی آزادیاں سب کو حاصل نہیں ہیں۔ 2۔ معیشت بری طرح لڑکھڑا رہی ہے۔ 3۔ برآمدات سمٹ گئی ہیں۔ 4۔ درآمدات کا حجم بڑھ گیا ہے۔ 5 قرضوں کے بوجھ میں اضافہ ہوتا جارہا ہے۔ 6۔ زرعی پیداوار ملک کی مانگ پوری نہیں کررہی ہے۔ 7۔ نوجوان ملک سے باہر جارہے ہیں کہ یہاں اہلیت کی قدر نہیں ہے۔ 8۔ بے روزگاری میں ہوش اڑانے والا اضافہ ہوچکا ہے۔ 9۔ غربت کی لکیر سے ہر روز لاکھوں پاکستانی نیچے جارہے ہیں۔ 10۔ ہر شعبے پر مافیاز اور ٹھیکیداروں کا غلبہ ہے۔ 11۔ جاگیردار اپنا غاصبانہ کلچر حاوی رکھنا چاہتے ہیں۔ 12۔ سرمایہ داری نظام بدترین نوعیت اختیار کررہا ہے۔ 13۔ ہمسائے سارے ناراض ہیں۔ 14۔ چین کی مدد جاری ہے۔ مگر پاکستان اپنا حصہ پورا نہیں کررہا ہے۔ 15۔ قیادت کا بحران ہے۔ گزشتہ 40 سال سے حکومت کرنے والے سیاسی لیڈروں اور فوجی قیادتوں سے لوگ بے زار ہیں۔ 16۔ ان لیڈروں سے نفرت کے نتیجے میں جس لیڈر سے نوجوان محبت کرتے ہیں۔ اسے سیاست میں آزادی سے حصہ نہیں لینے دیا جارہا ہے۔ 17۔ ملک کا تعلیمی نظام بھی انتشار کا شکار ہے۔ 18۔ جدید علوم اور نئی ٹیکنالوجی سے ملک جتنی ترقی کرسکتا ہے۔ زندگی جتنی آسان ہوسکتی ہے اس کی طرف کوئی پیشرفت نہیں ہے۔ 19۔ انتہائی اہم حساس محل وقوع ہماری طاقت کی بجائے ہمارے لیے مصیبت بنا ہوا ہے۔ 20۔ 60 فی صد نوجوان آبادی بھی پاکستان کی قوت کی بجائے کمزوری بن رہی ہے۔ کئی کروڑ نوجوانوں کی جسمانی اور ذہنی توانائی ملک کی ترقی کا سرچشمہ نہیں بن رہی ہے۔

یہ تو چند بنیادی مسائل ہیں۔ جن کی نشاندہی کی گئی ہے۔ کلیدی عہدوں پر سفارشی افسروں کی تقرری سے ملک کا سسٹم ٹھیک طرح سے نہیں چل رہا ہے۔ دنیا بھر کے ادارے کہہ رہے ہیں کہ پاکستان کی عدالتیں انصاف دینے میں بہت پست درجے پر پہنچ گئی ہیں۔ سرکاری محکموں میں بدعنوانیاں زوروں پر ہیں۔

اب ضرورت ہے ایسی سیاسی قیادت کی۔ جو اپنے ملکی وسائل پر انحصار کرتے ہوئے ملک کو خود کفالت کی طرف لے جائے۔ غربت کی لکیر سے نیچے لوگوں کو غربت سے نجات دلائے۔ پارلیمنٹ میں انتخابیوں اور کٹھ پتلیوں کی بجائے ایسے لوگ لائے جو آئندہ دس پندرہ سال کے لیے ایک واضح روڈ میپ بنائیں۔

پاکستان کے عوام سیاسی۔ سماجی۔ علمی ہر اعتبار سے باشعور ہیں۔ اگر انہیں اپنی مرضی سے آزادانہ منصفانہ انداز میں اپنی رائے دینے کا موقع ملے تو وہ جاگیرداروں۔ سرمایہ داروں۔ سرداروں کو نہیں۔ ایسے امیدواروں کو مینڈیٹ دیں گے جو اکیسویں صدی کی معیشت۔ معیاری حکمرانی۔ بین الاقوامی معاملات کا شعور رکھتے ہیں۔

2024 کا الیکشن امریکہ۔ بھارت اور بنگلہ دیش کے لیے اتنی حساس حیثیت نہیں رکھتا۔ جتنی پاکستان کے لیے۔

محمود شام

الخدمت
ALKHIDMAT
الخدمت فاؤنڈیشن پاکستان
ALKHIDMAT FOUNDATION PAKISTAN
فلسطین
ایمرجنسی اپیل
الخدمت فاؤنڈیشن پاکستان، انٹرنیشنل پارٹنرز کے ذریعے
غزہ، فلسطین میں بے گھر افراد اور عارضی پناہ گاہوں میں مقیم خاندانوں
کے لیے خوراک اور طبّی اِمداد پہنچانے کا انتظام کر رہی ہے۔
اپنے نقد عطیات ''الخدمت فاؤنڈیشن پاکستان'' کے درج ذیل آن لائن اکاؤنٹ میں جمع کروائیں
زکوٰۃ میزان بینک 0214-0101095120
عطیات میزان بینک 0214-0100861151
0800 44448, 0300-0776016
www.alkhidmat.org/donate
آن لائن عطیات

کئی کتابوں کے مصنف سید ارتقا احمد زیدی وزارت تجارت حکومت پاکستان کے جائنٹ سیکرٹری کے عہدے سے ریٹائر ہوئے۔ اپنی سرگزشت 'ارتقا' کے نام سے لکھ چکے ہیں۔ اس کے علاوہ انگریزی میں بھی اپنے اہم واقعات قلمبند کیے ہیں۔ ریٹائرمنٹ کے بعد انہوں نے سبزیوں۔ پھلوں۔ خشک میووں۔ بیجوں پر جامع تحقیق کی۔ کن بیماریوں کے علاج میں مفید ہیں۔ اب ان کی وٹامنوں پر تحقیق کا آغاز ہوا ہے۔ اس ماہ 'پوٹاشیم' پر مضمون ملاحظہ کریں۔

پوٹاشیم۔ جسم کے لیے ضروری غذائی جز

خون کے دباؤ کو اعتدال میں رکھتا ہے

ہر جسم کو 2300 سے 3000 ملی گرام پوٹاشیم کی ضرورت ہوتی ہے

غذائی اشیا میں پوٹاشیم کتنی کتنی مقدار میں ہوتی ہے

☆سید ارتقا احمد زیدی کی تحقیق اور تحریر

پوٹاشیم ایک اہم غذائی جز ہے جس کی ہمارے جسم کی تمام ٹشوز کو ضرورت ہوتی ہے کیونکہ اس کی بدولت ہمارے جسم کے خلیوں میں مائع کو برقرار رکھنے کی صلاحیت پیدا ہوتی ہے۔ پوٹاشیم کا دوسرا اہم کام عضلات کو سکڑنے میں مدد دینا ہے۔ اور خون کے دباؤ یعنی بلڈ پریشر کو اعتدال میں رکھنا ہے۔

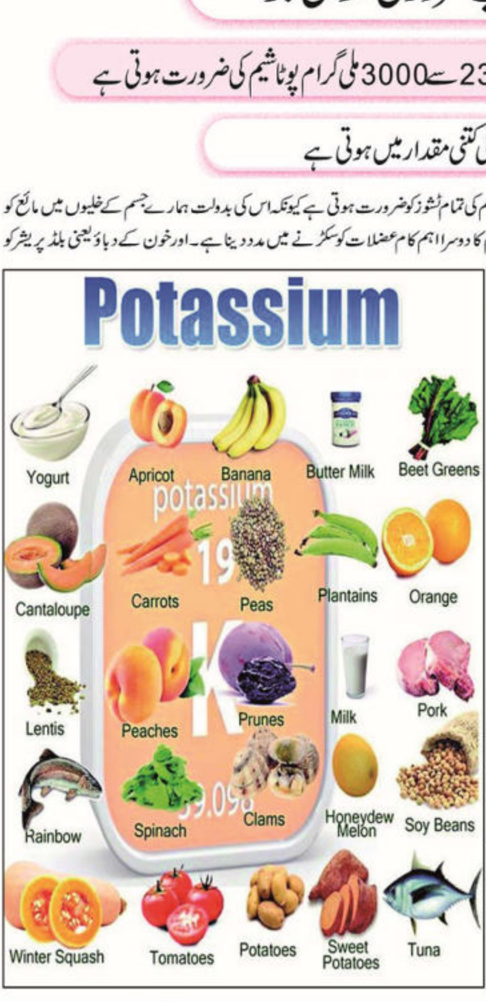

پوٹاشیم کی کمی سے بہت سی بیماریاں لاحق ہوسکتی ہیں

پوٹاشیم قدرتی طور پر ہماری غذا ہی موجود ہوتا ہے۔
ہمارے جسم کو 2300 سے 3000 ملی گرام پوٹاشیم کی روزانہ ضرورت ہوتی ہے۔
100 گرام غذائی اشیا میں پوٹاشیم کی مقدار یہ ہے۔

1۔ پالک۔ 558 ملی گرام
2۔ ایواکاڈو۔ 485 ملی گرام
3۔ شکرقندی۔ 475 ملی گرام
4۔ آلو۔ 443 ملی گرام
5۔ کیلا۔ 358 ملی گرام
6۔ مالٹا۔ 141 ملی گرام

زیادہ پسینے زیادہ الٹیوں۔ زیادہ پیشاب سے پانی کی کمی کا علاج بھی پوٹاشیم

جسم میں پوٹاشیم کی کمی کی وجہ سے ایک بیماری ہائپوکلیمیا Hypokalamia ہوجاتی ہے۔ اس بیماری میں مریض جلد تھک جاتا ہے۔ عضلات میں غیرارادی طور پر سکڑن یا مروڑ ہو جاتا ہے۔ دل کی دھڑکن اعتدال پر نہیں رہتی۔ کبھی ایک دم تیز اور کبھی بہت سست ہوجاتی ہے۔ اس بیماری کے علاوہ پوٹاشیم کی کمی کے اور بہت سے اسباب ہیں۔ مثلاً سخت دھوپ میں مشقتی کام کرنے کی وجہ سے پسینے کے ذریعے پانی کی کمی واقع ہوجانا۔ کسی بھی وجہ سے الٹیوں کی وجہ سے جسم میں پانی کم ہونا۔ یا ایسی ادویات استعمال کرنا جس سے پیشاب زیادہ آئے۔ اور پانی کی کمی ہوجائے۔ ایسی صورت میں صرف غذاؤں کے ذریعے پوٹاشیم کی کمی دور نہیں ہوسکتی۔ اس لیے ڈاکٹر سے رجوع کرنا ضروری ہے۔ کیونکہ ڈرپ کے ذریعے پوٹاشیم دینا ضروری ہوجاتا ہے۔ ❁

Prime Real Estate, Worldwide!

STAR
Marketing (Pvt.) Ltd.

رئیل اسٹیٹ مارکیٹنگ کی برانڈ لیڈرشپ

- پاکستان کے تمام بڑے شہروں میں دفاتر
- سیلز اور مارکیٹنگ کے ماہرین کی کامیاب ترین ٹیم
- تخلیقی ایڈورٹائزنگ کی بے مثال مہارت
- پراپرٹی مارکیٹنگ کی مقبول ترین ویب سائٹ
- ملک گیر اور انٹرنیشنل ایڈورٹائزنگ کی سہولیات
- سیلز اور ریکوری کی خدمات

- پاکستان میں کامیاب ترین منصوبوں کی مارکیٹنگ
- مختلف ممالک میں ہزاروں کسٹمرز
- یورپ، امریکہ، کینیڈا اور مڈل ایسٹ میں نمائندگان
- ہزاروں مطمئن خریداروں کا ڈیٹا بیس
- لوکل پراپرٹی ڈیلرز کا نیٹ ورک

- رہائشی اور کمرشل منصوبوں کی تیز ترین خرید و فروخت
- کامیاب منصوبوں کی شرح، سب سے زیادہ
- پاکستان بھر کے بلڈرز کا حتمی انتخاب
- اعلیٰ ترین ٹی وی کمرشلز کی پروڈکشن
- ریسرچ اور سروے کی خدمات

- بلڈرز اور ڈویلپرز کیلئے کامیابی کے پلان
- 24 گھنٹے کام کرنے والی ہیلپ لائنز
- آؤٹ ڈور ایڈورٹائزنگ
- پروفیشنل ماہرین کی بہترین ٹیم
- بین الاقوامی ایکسپوز میں شرکت

111-111-160
www.starmarketingonline.com

KARACHI - ISLAMABAD - LAHORE - PESHAWAR
NOWSHERA - MULTAN - HYDERABAD

MANHILL

Invest In Unforgettable Travel Experiences
Air Ticket
VISA Processing
Tour Packages
Hotel Booking
Car Rentals
PASSPORT
POLANI'S
PRIVATE LIMITED
TRAVEL AGENT & TOUR OPERATOR
Mr. Abdul Jabbar
0333-2115420
Mr. Arsalan
0345-9996683

GFS
BUILDERS & DEVELOPERS
GFS
Villas
DHA CITY
KARACHI
INVEST IN YOUR
FUTURE TODAY!
BOOKING ON 10%
ONE UNIT VILLAS
125 SQ. YDS
3 YEARS
PAYMENT PLAN
DHA CITY SECTOR 14-B
BRAND OF THE YEAR AWARDS 2021
0800-43700
0302-8255578 | 0301-1155760
BUILDERSGFS | WWW.GFSBUILDERS.COM.PK

2024۔امریکی صدارتی انتخابات کا سال

"ہر چوتھا سال امریکہ میں صدارتی انتخاب کا سال ہوتا ہے۔2024 کا انتخاب امریکہ کے مقامی اور دنیا کے سیاسی حالات کے باعث انتہائی اہم ہے۔ امریکہ میں بھی سیاسی بے یقینی عروج پر ہے۔'اطراف' نے اپنے قلمی معاون جناب مشتاق صدیقی سے ایک تحریر کی درخواست کی جو سینئر صحافی ہیں۔ امریکی سفارت خانے کے تعلقات عامہ کے شعبے سے طویل وابستگی رہی ہے۔ بہت ہی معلوماتی انداز میں انہوں نے اگلے سال ہونے والے انتخابات کا امکانی جائزہ لیا ہے۔"

مضبوط صدارتی امیدوار کون ہوگا۔؟

تحریر: مشتاق صدیقی

امریکہ میں صدارتی انتخاب اسی سال، یعنی 2024 میں ہوں گے۔ منگل کا دن ہوگا اور نومبر کی 5 تاریخ۔اس انتخاب کے نتیجے میں 4 سال کی مدت کے لئے منتخب ہونے والے امریکی صدر، اب سے تقریباً ایک سال بعد، 20 جنوری 2025 کو اپنے عہدے کا حلف اٹھائیں گے۔

ذہنوں میں ایک سوال ضرور پیدا ہوگا کہ کیا صدارتی انتخاب ہر 4 سال بعد منگل 5 نومبر کو ہی ہوا کرتا ہے؟

بائیڈن کی جسمانی اور ذہنی صحت باعث تشویش

نہیں، ایسا نہیں ہے۔5 تاریخ تو محض ایک اتفاق ہے۔ یہ تاریخ یوں آئی کہ، جب 2024 کے نومبر کے مہینہ میں انتخاب والے منگل کا تعین کرلیا گیا تو اس روز کیلینڈر میں یہی تاریخ تھی۔ دوسرا سوال یہ ہوگا کہ نومبر کے مہینہ میں اسی مخصوص منگل کے دن کا انتخاب کیوں کیا گیا؟

یہ اس ملک کا قانون ہے۔اس مخصوص دن کا انتخاب کانگریس نے 1845 میں کر دیا تھا۔ ساتھ ہی یہ بھی طے کر دیا تھا کہ صدارتی انتخاب تمام صوبوں میں ایک ہی دن منعقد کئے جائیں گے۔

اس طرح، صورت حال یہ ہے کہ جس سال انتخاب کرانا ہوتا ہے، اس سال صرف دو باتیں دیکھی جاتی ہیں۔ پہلی بات یہ کہ صدارتی انتخاب نومبر کے مہینے میں منعقد کیا جائے۔ دوسرے یہ کہ انتخاب ''نومبر کے مہینے کے پہلے پیر کے بعد آنے والے منگل کو'' منعقد کیا جائے۔ یعنی نومبر کے مہینے کی پہلی تاریخ کو منگل ہوگا تو اس دن انتخاب نہیں ہوگا؛ اس مہینے میں اگر پہلی تاریخ کو پیر ہو تو 2 تاریخ کو انتخاب ہوسکتا ہے۔۔۔اس سال نومبر میں پہلا پیر 4 تاریخ کو ہے اس لئے انتخاب 5 تاریخ کو کرایا جائے گا۔ جی، بالکل ایسی ہی پیچیدہ صورت حال ہے کہ:

گُلِ کو باغ میں جانے نہ دیجو
کہ ناحق خون پروانے کا ہوگا

صدارتی انتخاب کرانے کے اس سارے عمل میں لگ بھگ دو سال کا عرصہ لگ جاتا ہے۔اسی لئے 20 جنوری 2025 کو اپنے عہدے کا حلف اٹھانے والے نئے امریکی صدر کے انتخاب کے لئے کاروائی کا آغاز ابھی سے کر دیا گیا ہے۔

جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ انھیں انتخاب لڑنا چاہئے، وہ اپنے اپنے ناموں کا اعلان کر رہے ہیں۔ لیکن انتخاب وہی لڑیں گے جنھیں دونوں بڑی سیاسی جماعتیں، رپبلیکن پارٹی اور ڈیموکریٹک پارٹی اپنا اپنا ٹکٹ دیں گی۔ ویسے دوسرے لوگ بھی انتخاب میں حصہ لے سکتے ہیں، اور لیتے رہے ہیں لیکن پھر جو ان کا انجام ہوتا ہے وہ سب کو معلوم ہے۔

جو لوگ انتخاب میں حصہ لینا چاہتے ہیں وہ اب سارے ملک میں گھوم پھر کر جلسے اور کارنر میٹنگز کریں گے؛ میڈیا پر ان کے انٹرویوز کئے جائیں گے؛ امیدواروں کے درمیان مباحثہ ہوگا جسے نیشنل ٹی وی پر براہ راست دکھایا جائے گا۔ زیادہ تر خواہشمند تو اسی عمل کے نتیجہ میں اس دوڑ سے باہر ہو جائیں گے۔ جو باقی بچ رہیں گے ان میں سے دونوں بڑی سیاسی جماعتوں کے ایک ایک امیدوار کے سوا، سب کے سب اس دن اس دوڑ سے نکل جائیں گے جس دن ان دونوں بڑی

ٹرمپ بھی بضد۔سفید فام ووٹروں میں اب بھی مقبول

جماعتوں، رپبلکن پارٹی اور ڈیموکریٹک پارٹی کا کنونشن ہوگا جس میں دونوں جماعتوں کے باضابطہ امیدواروں کا اعلان کر دیا جائے گا۔

امریکہ میں حکومت کا سارا نظام، خواہ وہ لوکل گورنمنٹ ہو، اسٹیٹ کی حکومت ہو یا فیڈرل گورنمنٹ ہو، دوسرے ملکوں میں رائج جمہوری نظام سے خاصا مختلف ہے۔ شہر کا انتظام وانصرام اور لوگوں کو فراہم کی جانے والی بنیادی سہولتوں کا بندوبست کرنا شہر کی اپنی مقامی منتخب

کونسل'' کی ذمہ داری ہے۔ یہ کونسل اپنا یہ کام، اپنے طے کردہ قوانین اور ضابطوں کے مطابق، اور عوام کے ووٹ سے براہ راست منتخب ہونے والے ''میئر'' کے ذریعہ کرتی ہے۔

خیر یہ تو میئر کا عہدہ ہے اسے تو منتخب ہی ہونا چاہئے۔ لیکن دلچسپ بات یہ ہے کہ اس ملک میں پولیس کا سربراہ ہو یا گلی میں آوارہ کتوں کو پکڑنے کے لئے مقرر کیا جانے والا ''ڈاک کیچر'' سب کے سب یا تو عوام کے ووٹ سے براہ راست منتخب ہوتے ہیں یا پھر ان کا انتخاب لوگوں کی منتخب کردہ کونسل، یا ان ہی کا منتخب میئر کرتا۔

ڈاگ کیچر کا عہدہ تو اب موجود نہیں رہا لیکن اس کی یادیں امریکہ کی سیاست میں اب بھی موجود ہیں۔ پرانے وقتوں میں کئی جانے پہچانے لوگ اس عہدے پر منتخب ہوتے رہے ہیں۔ مثلاً مشہور گلوکار ایلویس پریسلے کے مینیجر ٹام پارکر نے 1941 میں ٹامپا فلوریڈا میں ''ڈاک کیچر'' کے انتخاب میں حصہ لیا اور انتخاب جیت کر وہ یہ خدمت انجام دیتے رہے۔

کسی مدمقابل پر طنز کرنا مقصود ہو تو آج بھی امریکہ میں اسی عہدے کی مثال دی جاتی ہے۔ کہتے ہیں کہ'' آپ میرا مقابلہ کیا کریں گے, آپ تو ''ڈاگ کیچر'' کا انتخاب بھی نہیں جیت سکتے۔'' پچھلے انتخابات میں صدر ٹرمپ نے بھی اپنے ایک سیاسی حریف، سینیٹر بوب کارکر پر تنقید کرتے ہوئے ایک ٹویٹ میں لکھا تھا کہ بوب کارکر ٹینیسی میں ایک ''dog catcher'' کا انتخاب بھی نہیں جیت سکتے۔

امریکہ میں کسی امیدوار کی عوام میں مقبولیت کے نتیجہ میں اسے ملنے والے ووٹوں کی تعداد اس کی کامیابی کی دلیل نہیں ہوتی۔ اس لئے

بھارتی نژاد امریکی لابی۔کملا ہیرس کو صدارتی امیدوار بنانے کے لیے کوشاں

کہ کامیابی کا فیصلہ الیکٹورول ووٹس کی تعداد سے کیا جاتا ہے۔ جس صوبہ میں دونوں جماعتوں میں سے جس جماعت کو اکثریت حاصل ہو جاتی ہے، اس صوبہ کے تمام الیکٹورول ووٹ اسی ایک جماعت کو مل جاتے ہیں۔

اس وقت ان الیکٹرز کی کل تعداد 538 ہے۔ اس لئے امریکی صدارتی انتخاب جیتنے کے لئے امیدواروں کو 270 الیکٹورل ووٹوں کی ضرورت ہوتی ہے۔

سب سے زیادہ ووٹ ٹکساس کی ریاست کے ہیں جو 38 ہیں، جب کہ اس کے بعد نیو یارک اور فلوریڈا کا نمبر آتا ہے، جنکو 29،29

بائیڈن کی کارکردگی 61 فی صد کو ناپسند

الیکٹورول ووٹ ملتے ہیں۔ الیکٹورول ووٹ کی سب سے کم تعداد 3 ہے جو الاسکا، ڈیلیویر اور مونٹانا جیسی متعدد چھوٹی ریاستوں اور امریکی دارالحکومت واشنگٹن ڈی سی کی ہیں۔

ہر صوبے کے الیکٹورول ووٹوں کی تعداد پہلے سے مقرر ہوتی ہے اور اس تعداد کا تعلق ہاوس اور سینیٹ میں ان صوبوں کے ممبران کی تعداد سے ہوتا ہے۔

امریکہ میں پہلا صدارتی انتخاب 1789 میں ہوا اور اب تک 59 انتخابات ہو چکے ہیں۔ ملک کی دو بڑی سیاسی جماعتیں، ڈیموکریٹک پارٹی اور ریپبلکن پارٹی بے حد مقبول ہیں، اور یہی دو پارٹیاں باری باری اقتدار میں آتی رہتی ہیں۔

ڈیموکریٹک پارٹی اب تک 15 اور ریپبلکن پارٹی 19 بار انتخابات جیت چکی ہے۔ اس وقت ملک میں ڈیموکریٹک پارٹی کی حکومت ہے۔ موجودہ امریکی صدر جو بائیڈن، جن کی عمر اب 80 برس سے زیادہ ہے ایک بار پھر انتخاب میں حصہ لینا چاہتے ہیں۔ یہ اور بات کہ امریکہ میں عام طور پر لوگ ان کے اس ارادے کی پرجوش تائید کرتے نظر نہیں آتے۔ اس کی ایک وجہ تو ان کی عمر ہے۔ لیکن دوسری، اور شاید زیادہ بڑی وجہ امریکی صدر کی موجودہ ''جسمانی و ذہنی صحت کی حالت'' ہے۔ یہ صورت حال امریکیوں کے لئے خاصی تشویش اور شرمندگی کا باعث بھی بنی ہوئی ہے۔

سوشل میڈیا پر ایسی ویڈیوز وائرل ہوئی ہیں جن کی وجہ سے ان کی صحت کے بارے میں اندیشوں کو تقویت پہنچتی ہے۔ اس کے علاوہ گذشتہ ماہ ہی ہونے والے ایک سروے میں جہاں 37 فیصد لوگوں نے اپنے صدر جو بائیڈن کی حمائت کی ہے تو لوگوں کی ایک بہت بڑی تعداد، 61 فیصد نے، انکی کارکردگی کے بارے میں ناپسندیدگی کا اظہار کیا ہے۔

2024۔امریکی صدارتی انتخابات کا سال

اس لئے ایک خیال یہ بھی پایا جاتا ہے کہ کنونشن تک پہنچتے پہنچتے انکی جماعت، ڈیموکریٹک پارٹی کسی متبادل امیدوار کا انتخاب کر لے گی۔ اس سلسہ میں کچھ لوگ اس امکان کو رد نہیں کرنا چاہتے کہ ڈیموکریٹک پارٹی، وہائٹ ہاوس اور امریکی سیاسی میدان میں موجود اور اپنی گہری جڑیں بنا لینے والی بھارتی نژاد امریکی شہریوں کی مضبوط لابی، یہ کوشش ضرور کرے گی کہ کسی طرح امریکی تاریخ کی پہلی خاتون اور غیر سفید فام نائب صدر، کملا ہیرس کو صدارتی امیدوار بنا دیا جائے۔ لیکن اس امکان کی بات کرتے ہوئے ہمیں اس حقیقت کو بھی پیش نظر رکھنا ہوگا کہ امریکہ کے لوگ شاید اب بھی، ایک غیر سفید فام، بھارتی نژاد، خاتون امیدوار کو اپنا صدر بنانے کے لئے ووٹ ڈالنے کے لئے پوری طرح تیار نہ ہوں؟

ریپبلکن پارٹی میں بھی صورت حال کچھ زیادہ مختلف نہیں ہے۔ وہاں سابق صدر ڈونلڈ ٹرمپ ایک بار پھر قسمت آزمائی کرنا چاہتے ہیں؛ بلکہ بضد ہیں کہ انھیں ہی پارٹی ٹکٹ دیا جائے۔ اس کا ایک دلچسپ پہلو یہ بھی ہے کہ گو انھیں متعدد قانونی پیچیدگیوں کا سامنا ہے اور بہت ممکن ہے کہ عدالت ان کے انتخاب میں حصہ لینے پر پابندی لگا دے، لیکن ان کی پارٹی ووٹروں میں ان کی مقبولیت موجود ہے اس لئے کہ وہ اپنی پارٹی کے دیگر امیدواروں کے مقابلہ میں آگے نظر آتے ہیں۔ ویسے ایک بھارتی نژاد خاتون نکی ہیلی سمیت کئی دیگر رہنما بھی اس دوڑ میں سامنے نظر آتے ہیں۔ ان میں ایک نام کرس کرسٹی کا ہے جس کا ذکر خاص طور پر کیا جا رہا ہے۔

لیکن اس ابتدائی مرحلہ پر یہ بتانا مشکل ہے کہ دونوں پارٹیاں کس کو ٹکٹ دینے کا فیصلہ کریں گی۔ بات ابھی اور آگے بڑھے گی۔۔۔ میڈیا میں بحث ہوگی، ٹی وی پر براہِ راست بنانے ہوں گے، پھر کہیں جا کر ان تمام امیدواروں کے بارے میں کوئی بہتر رائے قائم کی جا سکے گی۔

نومبر کے امریکی صدارتی انتخاب کے حوالے سے ووٹروں کے ذہنوں پر جو مسائل چھائے ہوئے ہیں وہ کئی ہیں۔ لیکن امریکی ووٹر جن چند بڑے مسائل کو سامنے رکھ کر صدارتی امیدواروں کو پرکھے گا ان میں سات مسائل ایسے ہیں جو ووٹروں کے فیصلے پر براہ راست اثر انداز ہوں گے۔

ایک حلقہ کے لئے جہاں امیگریشن، تعلیم، ''ایل جی بی ٹی کیو'' (LGBTQ) اہم یا بڑے مسائل ہیں، تو وہیں وہ لوگ بھی ہیں جن کا خیال ہے کہ میرا ووٹ لینے کے لئے امیدواروں کو اسقاط حمل کے مسئلہ پر اپنی پالیسی بیان کرنی ہوگی؟ امریکی ذہنوں پر ایک دلچسپ موضوع یہ بھی چھایا ہوا ہے کہ کیا ہمارا دفاعی نظام اتنا کمزور ہو چکا ہے کہ اب رنگ برنگے جاسوس چینی غبارے، ہماری فضائی حدود میں بلا روک ٹوک داخل ہو جاتے ہیں اور گنجان آبادی پر منڈلاتے رہتے ہیں؟

یوکرین کی جنگ بھی ایک ایسا موضوع ہے جس پر گرما گرم بحث کی جا رہی ہے، جبکہ فلسطین کی سویلین آبادی پر جاری اسرائیلی حملہ پر بھی بات ہوگی۔ ایک خیال یہ بھی ہے کے امریکہ کی مسلمان آبادی کی حساسیت کے پیش نظر ممکن ہے کہ اس موضوع پر زیادہ گفتگو نہ کی

ملک کی صدارت۔ پولیس کی سربراہی۔ شہر کا میئر ہر فیصلہ عوام کے دونوں سے

جائے۔ کیونکہ اگر بات ہوئی تو اسرائیل کے خلاف ہوگی۔ اس لئے کہ اگر اسرائل کی مذمت نہیں کی گئی تو مسلمان ووٹروں کی اکثریت ان کے خلاف ہو جائے گی۔۔۔ اور اگر بات اسرائیل کے خلاف کی گئی تو اس ملک میں موجود انتہائی مضبوط جویش لابی ان کے پیچھے پڑ جائے گی۔

صدارتی ڈیبیٹس (مباحثوں) کا اہتمام کرنے والے کمیشن نے اعلان کیا ہے کہ وہ اس سال صدارتی انتخاب سے قبل چار کا اہتمام کرے گا۔ ان میں سے دو ستمبر کی 16 اور 25 تاریخ کو ہوں گے، جبکہ دو اس سے اگلے مہینہ یعنی اکتوبر کی پہلی اور 9 تاریخ کو ہوں گے۔ ان چار میں سے تین، صدارتی امیدواروں کے درمیان ہوں

ری پبلکن پارٹی بھی ایک بھارتی نژاد خاتون کو امیدوار بنانے کی خواہشمند

گے جبکہ ایک نائب صدر کے امیدواروں کے درمیان کرایا جائے گا۔

امریکی انتخابات پر نظر رکھنے والے کہتے ہیں کہ تین ریاستیں، مشی گن، پینسیلو ینیا اور وسکونسن اس سال بھی بے حد اہم ثابت ہوں گی۔ یہ وہ ریاستیں ہیں جنھوں نے 2016 میں تو ٹرمپ کو فتح سے ہمکنار کرایا تھا، لیکن 2020 کے انتخاب میں ان ہی ریاستوں نے جو بائیڈن کے حق میں ووٹ ڈالا اور انھیں کامیاب کرا دیا۔ لگ بھگ اسی طرح، ایک خیال یہ ہے کہ اس سال اریزونا، جورجیا اور نیواڈا کی ریاستوں کے نتائج بھی بے حد اہم ثابت ہو سکتے ہیں۔

سیاسی طور پر بیدار، اور انتخابی داو پیچ پر نظر رکھنے والے امریکی ماہرین کہتے ہیں کہ اس سال ممکنہ امیدواروں کے بارے میں امریکی ووٹروں میں ابھی سے وہ تشویش نظر آنے لگی ہے، جو ماضی میں عام طور پر انتخابات سے بالکل قریب پہنچنے کے بعد دیکھی جاتی تھی۔

لیکن ووٹروں کی ایک بڑی تعداد وہ بھی ہے جو اس الجھن کا شکار ہے کہ وہ رائے عامہ کے کس سروے پر اعتبار کرے؟

۔۔ ''وال سٹریٹ جنرل'' کے سروے پر، جو کہتا ہے کہ اس وقت ڈونلڈ ٹرمپ اور جو بائیدن میں کانٹے کا مقابلہ ہے؟

۔۔ یا وہ ''سی این این'' کے سروے کو درست مانیں جس کے مطابق اگر ری پبلیکن پارٹی کی ایک ممکنہ امیدوار، بھارتی نژاد، نکی ہیلی کو پارٹی ٹکٹ مل گیا تو وہ انتخابات میں جو بائیڈن کو شکست دے دیں گی؟

۔۔ بہت سے لوگ وہ ہیں جو ''نیو یارک ٹائمز'' کے اس سروے کو اہمیت دے رہے ہیں جس میں یہ نتیجہ اخذ کیا گیا ہے کہ موجودہ امریکی صدر جو بائیڈن، انتہائی تیزی سے غیر سفید فام ووٹروں میں اپنی حمایت کھوتے جا رہے ہیں۔

بہر حال، ابھی تک کسی کو بھی یہ نہیں معلوم کہ 20 جنوری 2025 کو امریکہ کے نئے صدر کی حیثیت سے حلف کون اٹھائے گا۔۔۔ بلکہ ابھی تو یہ بھی پتہ نہیں چلا ہے کہ اس سال 5 نومبر کو کن دو امیدواروں کے درمیان مقابلہ ہوگا؟

اس کے لئے ہمیں ابھی دونوں جماعتوں کے اس کنونشن کا انتظار کرنا ہوگا جس میں ناموں کا باضابطہ اعلان کیا جائے گا۔ ۞

2024۔انڈیا میں انتخابات کا سال

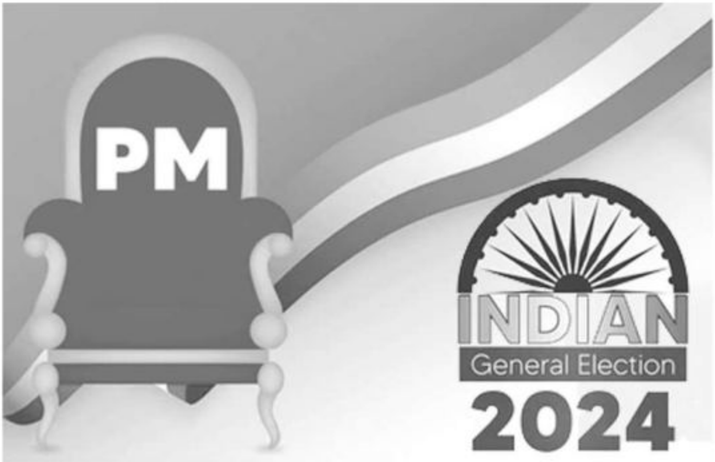

"بھارت میں بھی 2024 انتخابات کا سال ہے۔ نریندرا مودی کی حکمرانی کے دو ادوار بھارت کو سیکولرزم سے بہت دور لے گئے ہیں۔ بی جے پی نے خود کو ہندو قوم پرستی کا چمپئن بنایا۔ اس سے بھارت میں محاذ آرائی بڑھی ہے۔ بھارت میں انتخابی صورت حال کے معروضی تجزیے کے لیے ہم نے جنوبی ایشیا کے انتہائی سینئر صحافی۔ دانشور بھارت پاکستان میں دوستی کے خواہاں کیرن ساہنی سے گزارش کی۔ وہ پہلے بھی ماہنامہ 'اطراف' کے لیے مضامین لکھ چکے ہیں۔ پڑھئے اور اپنی رائے سے آگاہ کیجئے۔"

مودی کی دہائی۔ بڑھتی گئی محاذ آرائی

تحریر: کیرن ساہنی (دہلی)

مودی کے وزیر اعظم کے طور پر حلف اٹھانے کے تقریباً دس سال بعد، ہندوستان پہلے سے کہیں زیادہ محاذ آرائی کا شکار دکھائی دیتا ہے۔ گزشتہ ماہ کے ریاستی انتخابات میں بی جے پی کی جیت اور راجستھان، اور چھتیس گڑھ میں حکومتیں بنانے کے باوجود ایسا ہوا ہے۔ شمالی وسطی ہندوستان کی وہ ریاستیں جہاں بی جے پی پانچ سال پہلے اقتدار سے محروم ہوگئی تھی کانگریس کو تقریباً 40 فیصد ووٹ ملے۔ پچھلے مہینے تین ریاستوں، راجستھان میں بی

چار ریاستوں میں کانگریس نے بی جے پی سے 10 لاکھ زیادہ ووٹ لیے

جے پی سے 2.2% کم، چھتیس گڑھ میں بی جے پی سے تقریباً 4% کم ووٹ ملے۔ دونوں میں اس کی پچھلے پانچ سال سے حکومت تھی۔ مدھیہ پردیش میں ریاست کے ایک ممتاز کانگریسی سیاست دان کے انحراف کے بعد کانگریس کو بی جے پی سے 7% کم ووٹ ملے جہاں اس کی حکومت گر گئی تھی۔ ان شکستوں کی ایک بڑی وجہ کانگریس کا چھوٹی جماعتوں کے ساتھ سیاسی مفاہمت تک پہنچنے سے انکار تھا، جن میں سے زیادہ تر کو صرف معمولی حمایت حاصل تھی۔ یہ صرف جنوبی ریاست تلنگانہ میں ہی تھی کہ کانگریس بی جے پی کو یقین کے ساتھ شکست دینے میں کامیاب رہی۔ چاروں ریاستوں کو ایک ساتھ لے کر کانگریس نے گزشتہ ماہ کے انتخابات میں بی جے پی سے

تقریباً دس لاکھ زیادہ ووٹ حاصل کیے۔

ہندو انتہا پسند اور 'سیکولر' جماعتوں کے درمیان ہندوستان میں محاذ آرائی پینتیس سال قبل اس وقت شدت اختیار کر گئی تھی جب اندرا گاندھی کے قتل کے بعد دسمبر 1984 میں ہونے والے انتخابات میں بی جے پی ہندوستان کے 543 سیٹوں والی پارلیمنٹ کے ایوان زیریں میں دو نشستوں تک کم رہ گئی تھی۔ بی جے پی نے فیصلہ کیا کہ اسے اقتدار حاصل کرنے کے لیے خود کو ہندو قوم پرستی کی چیمپئن جماعت میں تبدیل کرنے کی ضرورت ہے۔ چنانچہ اس نے سیکولر اور اقلیتوں کی مخالف طرز سیاست کو اپنایا۔ ایودھیا میں 450 سال پرانی بابری مسجد کو گرانے کے بعد اس کی جگہ پر مندر بنانے کے لیے ایک عوامی تحریک شروع کی گئی۔ مسلمانوں اور عیسائیوں کے خلاف فسادات کیے گئے۔ فرقہ وارانہ فساد کا مسلسل سلسلہ جاری رہا جس کے نتیجے میں تقریباً چھ سال تک تشدد ہوا یہاں تک کہ دسمبر 1992 میں ایک ہندو قوم پرست ہجوم نے بابری مسجد کو منہدم کر دیا۔

مودی نے آر ایس ایس کے ایجنڈے کو بڑھاوا دیا

بی جے پی کے منشور میں 'ہندوتوا' پر مبنی پروگرام کو پورا کرنے کے وعدے ہوئے پر ووٹرز کی حمایت مانگی گئی تھی جس میں مندر پروجیکٹ بھی شامل تھا، جو مسلمانوں کے حقوق، ملک کے قوانین اور ہندوستانی آئین کی خلاف ورزی تھی۔ بھارتی انتخابی قوانین میں مذہب کے استعمال کی سختی سے ممانعت تھی۔

اس دوران بی جے پی نے 1989 اور 1991 کے دونوں لوک سبھا انتخابات میں جیتی ہوئی سیٹوں میں نمایاں اضافہ کیا تھا۔ اسے تقریباً ہر دوسری علاقائی یا قومی پارٹی پر، جو مذہب کی بنیاد پر ووٹ مانگنے میں زیادہ محتاط تھی برتری حاصل تھی۔

مودی کئی طاقتوں کا مالک ہے

.1) ایسے لوگوں کی خاصی تعداد ہے جو آر ایس ایس کے نظریے سے ہمدردی رکھتے ہیں اور جو اس کے بیانیے کا مثبت جواب دیتے ہیں۔ وہ 'سنگھ پریوار' کی تشکیل کرتے ہیں، بی جے پی کو ووٹ دیتے ہیں اور اس پارٹی کے پکے بنیادی ووٹر ہیں۔ یہ صورت حال کرناٹک کے علاوہ بقیہ جنوبی ہندوستان میں نمایاں نہیں ہے۔ بہت سے ہندو مسلم مخالف اور اب کچھ عرصے سے عیسائی مخالف جذبات کا اظہار کرنے لگے ہیں۔ مودی کی شناخت اس بلاک کے رہنما کے طور پر کی جاتی ہے، جواب آسام سمیت باقی بھارتی ریاستوں میں تقریباً مکمل طور پر صرف ہندوؤں پر مشتمل ہے۔ یہ ہندو ووٹرز

مودی نے غریبوں کو فائدہ پہنچانے والی کئی فلاحی تنظیمیں بنائیں

ملک کے مجموعی ووٹروں کے 30% کی نمائندگی کرتے ہیں۔

.2) اکتوبر 2001 سے جب مودی کو آر ایس ایس نے گجرات کا وزیر اعلیٰ بنایا تو اس وقت تک وہ اس کے باوجود کہ کبھی کسی مقننہ میں منتخب نہیں ہوئے تھے لیکن مودی نے آر ایس ایس کے ایجنڈے کو تشکیل دیا، آگے بڑھایا اور انتخابی کامیابیاں حاصل کیں۔ یہ کامیابی خاص طور پر گودھرا ریلوے کیریج آتشزدگی کے بعد حاصل ہوئی کیونکہ اس میں مودی قیادت کا قوم پرست چہرہ موثر طور پر ابھر کر سامنے آیا۔ بی جے پی نے مودی کی قیادت میں 2002، 2007 اور 2012 کے گجرات ریاستی انتخابات میں کامیابی حاصل کی اور اس بات کی تصدیق کی کہ ریاست کے رائے

بھارت کی نیتن یاہو کی شناخت کے ساتھ حماقت تھی

دہندگان کی کثیر تعداد نے مودی کو اپنا لیڈر مان لیا اور وہ اس پر مکمل اعتماد کرتے تھے۔ بلاشبہ مودی کی انتظامیہ نے اس دوران گجرات کے ہندو قوم پرست / انتہا پسند ووٹروں کی ترجیحات کے مطابق کارکردگی دکھائی۔

.3) اس دوران بی جے پی خود بدل گئی۔ اگر گودھرا کا واقعہ نہ ہوا ہوتا تو کافی

امکان تھا کہ مودی نہ ہوتے.. ان کی کوئی قومی شناخت نہ ہوتی لیکن گودھرا اور اس پر مودی کے ردعمل نے انہیں ایک قومی شخصیت میں بدل دیا اور بی جے پی کے ساتھ ساتھ ملک میں بھی بھارتی قوم پرست ہندوؤں میں مقبول

گودھرا کا واقعہ نہ ہوتا تو مودی نہ ہوتے

کردیا۔

.4) UPA حکومتوں کی کارکردگی کو 2009-2010 کے دوران بدعنوانی، خاندان کے کردار اور دہشت گردی کے خلاف کمزور ردعمل نے غیر

مقبول بنایا۔ اس کے مقابلے میں 2002 میں گجرات میں مودی کے اقدامات زیادہ موثر تھے اور لوگوں نے دونوں حکومتوں کا موازنہ کیا۔

.5) مودی ایک موثر رابطہ کار نکلے اور خاص طور پر غریبوں کے ساتھ اپنی جوشیلی تقریروں، موثر انداز اور مستقبل کے وعدوں کی مدد سے یوپی اے اور خاص طور پر کانگریس کی 2013-4 میں غیر تصوراتی مہم کے خلاف بہترین سیاسی مہم چلائی۔ حقیقت یہ ہے کہ ان کی انگریزی بولنے میں روانی نہیں تھی لیکن اس سے انہیں کوئی نقصان نہیں ہوا۔ لوگ پرانی حکومتوں سے ناراض تھے حالانکہ سابق لیڈرز بہت اچھی طرح انگریزی بولتے تھے، خود کانگریس پارٹی میں بھی بہت اچھی انگریزی بولنے والے تھے۔

.6) مودی نے غریبوں کو فائدہ پہنچانے والی کثیر فلاحی اسکیمیں بنائیں جن کو مودی نے گجرات میں فروغ دیا تھا۔ تقریباً دس سالوں میں بطور وزیر اعظم اور عام لوگوں کے ساتھ ان کے مشترکہ رابطے نے روایتی ہندوتوا کے

ووٹ بنک سے باہر کے لوگوں کو بھی ووٹ دینے پر راضی کیا۔ ریاستی اور قومی انتخابات دونوں میں ہندوستان کی کبھی نہ ختم ہونے والی سیاست میں مودی کی اعلیٰ دباؤ والی سیاسی مہم جوئی کامیاب رہی۔

.7) مودی کی سب سے بڑی کمزوری یہ رہی اور ہے کہ ان کے سیاسی کیریئر کی بنیاد ہندوستانی معاشرے میں تفرقہ پیدا کرنے اور تکبر کو فروغ دینے کی صورت میں سامنے آئی۔ اس تفرقے سے ذاتی عدم تحفظ پیدا ہوا اور وہ تنقید اور اختلاف رائے کو قبول کرنے سے بھی صاف انکار کرتے تھے۔ انہوں نے آزادی اظہار، عدالتوں اور دیگر سیاسی مخالفین کے حقوق کو سلب کرنے کی کوشش کی۔ اس کے باوجود گجرات کے دنوں سے ہی قوم پرست ہندوؤں نے مودی کی حمایت کی۔ اس غیر معمولی حمایت سے وہ

ایودھیا میں 450 سال پرانی مسجد گرادی گئی

عالمی سپر قائد کے درجہ تک پہنچ گئے۔

.8) مودی کی عالمی اہمیت کا اندازہ لگانے کے لیے ملک کے ساتھ ساتھ خود مودی کے بارے میں بھی خیالی تصورات پھیلائے جاتے ہیں۔ مودی کو بظاہر ایک مضبوط آدمی کی شبیہ دینے کے لیے کچھ اقدامات کیے گئے جو الٹے پڑ گئے۔ مثال کے طور پر پارلیمنٹ میں گھمنڈ کے ساتھ کہا گیا کہ بھارت لداخ کو چین سے واپس چھین لے گا، حالانکہ اس مین ناکامی ہوئی۔ اور ساتھ ہی کینیڈا، امریکہ اور برطانیہ اور دیگر ممالک میں آباد سکھوں کے امور میں مبینہ مداخلت سے ھی نقصان پہنچا۔ پیشہ ور سفارت کاروں نے زور دیا کہ اس مسئلے پر بہتر طریقے سے نمٹا جائے لیکن یہ مشورہ مذاق میں اڑا دیا گیا اور اس سے سنگین بحران نے جنم دیا۔

بھارتی مفاد دنیا کے مسلمانوں سے اچھے تعلقات میں ہے

اسی طرح بھارت کو نیتن یاہو کی اسرائیل کے ساتھ شناخت کرنا حماقت تھی جبکہ بھارتی مفادات دنیا کے مسلمانوں کے ساتھ اچھے تعلقات رکھنے میں تھے۔ اس بات کو بھی یاد نہیں رکھا گیا کہ 20 کروڑ مسلمان بھارتی شہری ہیں۔ (ترجمہ: سید عرفان علی یوسف) ❁

Political situation in India before the 2024 Lok Sabha elections

☆Karan Sawhny

Nearly ten years after Modi was sworn in as Prime Minister, India appears more polarized than it has ever been.
This is so despite the BJP winning last month's state elections and forming governments in Rajasthan, Rajasthan and Chattisgarh, States in North-Central India, which the BJP had lost power five years earlier. The Congress received approximately 40% of the votes cast last month in all three states , 2.2% less than the BJP in Rajasthan, about 4% less than the BJP in Chattisgarh both of which it had ruled for the last five years and 7% less than the BJP in Madhya Pradesh where it's government fell after defections were engineered by a prominent Congress politician from the State. A major reason for these defeats was the refusal of the Congress to reach political understandings with smaller parties, most of whom had only marginal support. It was only in the southern state of Telenga that the Congress was able to defeat the BJP convincingly. Taking all the four states together the Congress won nearly one million more votes than the BJP in last month's elections.

India's polarization between Hindu hardliners and the 'secular' parties intensified thirty five years ago after the BJP had been reduced to two seats in India's 543 seat lower house of Parliament in the December 1984 elections held after Indira Gandh's assasination.

The BJP decided it needed to transform itself into a party championing Hindu nationalism in order to win power and adopted a stridently anti-secular and anti-minorities line. A popular movement was promoted to build a temple in Ayodhya on the site of a 450 year old mosque after first demolishing it.

A continuous series of communally charged incidents were provoked resulting in violence for nearly six year until the mosque was demolished by a communally charged mob in Dec. 1992.

The BJP's manifesto sought voters' support, by promising to fulfil a 'Hindutva' oriented program including the Temple project, which was in violation
of the country's laws and prohibited by the Indian Constitution. The election laws strictly prohibited an appeal to religion.

Meanwhile the BJP had significantly increased the seats it won in both the 1989 & 1991 Lok Sabha elections. This was seen as a challenge by almost every other party - regional or national, who were more careful about seeking votes on the basis of religion.

Modi has several strengths:

1.) There are significant numbers of people who are in sympathy with the RSS' ideology and who respond positively to the narratives promoted by it. They constitute the Sangh Parivar, vote for the BJP and are the core voting block for this party . They are not significant in South India except in Karnataka. Many express anti-muslim sentiments and now also anti-Christian sentiments. Modi is identified as the leader of this bloc , almost entirely made up of Hindus in most of the rest of the States now including Assam. They represent 30% + of all voters.

2.) From October 2001 when he was made Chief Minister of Gujarat by the RSS despite never having been elected to any legislature Modi has 'delivered' on the RSS agenda, particularly after the Godhra railway carriage conflagration. BJP also won the Gujarat State elections in 2002, 2007 & 2012 under his leadership confirming that he was perceived by a plurality of the State's voters as the leader they trusted. Undoubtedly his administrations 'delivered' on the priorities of Gujaratis during that time.

3.) The BJP itself changed during these years. If Godhra had not happened it's quite likely that Modi would not have been
...would not have been a significant national figure but Godhra and Modi's response to it turned him into a national figure and polarized the BJP as well as the country.

4.) The UPA Governments' successes began from 2009-2010 to be vitiated by dissatisfaction about corruption, the role of the dynasty and the perception that the country's response to terrorism was feeble and inadequate. This last was compared by many with Modi's actions in Gujarat in 2002.

5.) Modi turned out to be an effective communicator and in particular the less well off as well as the poor related to his speeches, posturing and promises positively as against the unimaginative campaign of the UPA and particularly the Congress in 2013-4. The fact that his spoken English was not fluent because an advantage fuelled by the deep resentments caused by the advantage that those who spoke English well seemed to have, including in the Congress party itself.
..not fluent became an advantage..

6.) The plethora of welfare oriented schemes targeted at the poor, Modi had promoted in Gujarat and in nearly ten years as Prime Minister coupled by his common touch with the common people convinced many voters outside the traditional Hindutva vote bank to respond positively to his his high pressure political campaigns in India's never ending politicking both in the States and national elections.

7.) His greatest weaknesses have been and are that his political career is founded on creating divisions in Indian society and egomania in the form of a promoting a personality cult and arrogance born out of personal insecurities reflected in inability to accept criticism and dissent. He has attempted to stifle free speech, the courts and the rights of other political parties to raise resources . At the same time those who backed him from his Gujarat days have had extraordinary support such that some have reached the status of the global super rich.

8.) In order to project a perception of his global importance fantasies are disseminated both about the country as well as Modi himself. Certain actions have been taken, ostensibly to create a strongman image, which have backfired on the country and include not just the boast in Parliament that India would take back Ladakh as well as the alleged interference in the Sikh diaspora settled in Canada, the USA, the UK and other countries. What would be best dealt with quietly by professional diplomats has been blown into serious crises . Similarly the foolishness of identifying India with Netanyahu's Israel when Indian interests lie in good relations with the world's Muslims without even considering that there are 200 million Indian Muslim citizens.

"2024۔ امریکہ۔ بھارت۔ پاکستان۔ بنگلہ دیش میں انتخابات کا سال ہے۔ ہم نے 'اطراف' کے قلمی سرپرست شکاگو میں مقیم جناب احتشام ارشد نظامی سے گزارش کی ہے کہ وہ بنگلہ دیش کے آئندہ انتخابات کی امکانی صورت حال پر ایک تحریر سے نوازیں۔ احتشام ارشد نظامی ہر سال بنگلہ دیش جاتے رہے ہیں۔ بنگلہ دیش میں مقیم پاکستانی محصورین کے لیے بھی بہت سرگرم رہتے ہیں۔ ان کا معروضی تجزیہ پڑھئے اور اپنی رائے سے آگاہ کیجئے۔"

اگلی حکومت بھی شیخ حسینہ ہی بنائیں گی

☆تحریر: احتشام ارشد نظامی۔ (شکاگو)

بنگلہ دیش اپنے قیام کے ابتدائی دور سے ہی جمہوری ابتلا کا شکار ہے۔ اس کی تاریخ 1970 سے شروع ہوتی ہے جب بنگالی عوام نے اپنے ووٹ کے ذریعے عوامی لیگ کو مشرقی پاکستان کی نمائندہ جماعت قرار دیا تھا۔ چونکہ عام انتخابات کے نتائج کو کہیں سے چیلنج نہیں کیا گیا تھا اس لحاظ سے اکثریتی جماعت ہونے کے ناطے اسے حکومت بنانے کی دعوت دینی چاہیے تھی مگر ایسا ہو نہ سکا جس کا نتیجہ آپ کے سامنے ہے۔ اس بارے میں کیا ہوا اور اس میں کس کا کتنا کردار تھا اس پر ہم گفتگو نہیں کر رہے بلکہ اس بات کا جائزہ لے رہے ہیں کہ بنگلہ دیش میں جمہوریت اور انتخابات کی تاریخ کیا ہے اور اگلے ماہ جو انتخابات ہونے جا رہے ہیں اس کے کیا امکانات ہیں۔ عینی شاہدین کے مطابق 1970 کے انتخابات بھی مشرقی پاکستان میں شفاف نہیں تھے بلکہ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ دیہی علاقوں میں ووٹنگ کا عمل ہو بھی نہیں سکا اور عوامی لیگ کے جیت جانے کے اعلانات ہو گئے۔ آگے بڑھتے ہیں۔ جب 1972 میں شیخ مجیب الرحمان پاکستان کی قید سے رہا ہو کر ڈھاکہ پہنچے تو انہوں نے صدر کا عہدہ سنبھالا۔ 1973 کے پہلے عام انتخابات میں عوامی لیگ کی کامیابی کے بعد مجیب پارلیمانی جمہوریت کے تحت وزیراعظم بنائے گئے۔ تھوڑے ہی عرصے میں وہ ایک جمہوری آمر بن کر سامنے آئے۔ ان کے بیٹے اور فیملی کے دیگر لوگ اصلی حاکم بن بیٹھے۔ 1972 سے 1975 تک بنگلہ دیش کا دور سیاسی اور معاشی پر آشوب دور تھا۔ اس دور میں شیخ مجیب اور عوامی لیگ کی مطلق العنانیت عروج پر تھی۔ اس مدت میں ملک کو قحط کا سامنا بھی کرنا پڑا۔ مجیب نے ملک کو ایک جماعتی نظام کے طور پر چلانا چاہا۔ عوامی لیگ کو توڑ کر کرشیک عوامی لیگ بنالی تھی اور ان کا استدلال تھا کہ یک جماعتی جماعت کے ذریعے ملک کو زیادہ بہتر طور پر چلایا جاسکتا ہے۔ اس دوران تقریباً" چھ ہزار مکانات تباہ کر دیئے گئے جبکہ 14 لاکھ کسانوں کے پاس زرعی آلات نہیں تھے کہ وہ اپنی زمینوں پر کاشت بھی کر سکتے۔ مواصلاتی نظام اور سڑکیں درہم برہم ہو چکی تھیں۔ نتیجتاً "شیخ مجیب اور عوامی لیگ کے خلاف نفرت کا لاوا پکنا شروع ہو گیا تھا اور پندرہ اگست 1975 کو فوجی بغاوت کے نتیجے میں نہ صرف بابائے قوم مارے گئے بلکہ ان کے خاندان کے بیشتر افراد بھی جاں بحق ہو گئے۔ صرف دو خواتین بچ گئیں جو ملک سے باہر تھیں۔ دونوں شیخ مجیب کی بیٹیاں تھیں۔ ان میں سے شیخ حسینہ

1973۔ شیخ مجیب جمہوری آمر بن کر سامنے آئے

واجد بعد میں سیاست میں فعال ہوئیں اور فی الحال ملک کی وزیراعظم ہیں۔ 1975 کے خونی انقلاب کے باعث جمہوری حکومت کا دور ختم ہوا اور 1990 تک فوجی حکومتیں قائم رہیں۔ اس دوران ایک کے بعد ایک فوجی حکومت بدلتی رہی۔ فوجی جنرلز ایک دوسرے کے خلاف خونیں انقلاب لاتے رہے۔ ان میں جنرل خالد مشرف، جنرل ضیا الرحمان اور جنرل ارشاد شامل تھے۔

جنرل ارشاد نے عام انتخابات کروائے اور پھر سے جمہوریت کی راہ

جنرل خالد مشرف۔ جنرل ضیاء الرحمٰن اور جنرل ارشاد کی فوجی حکومتیں

ہموار ہوئی۔ شیخ حسینہ اور خالدہ ضیا یکے بعد دیگرے انتخابات کے ذریعے برسر اقتدار آتی رہیں۔ پھر یہ سلسلہ 2006 میں پھر رک گیا۔ جب خالدہ ضیا کی حکومت اپنی مدت پوری کر چکی تو آئین

2024۔ بنگلہ دیش کے انتخابات

کے تحت ایک نگراں حکومت کو نئے انتخابات کروانے تھے۔ یہ آئین شیخ حسینہ کے دورہ اقتدار کے دوران بنایا گیا تھا کہ ایک سابق چیف جسٹس کی زیرنگرانی نگراں حکومت نئے انتخابات کروائے گی۔ اس

2008۔ آئین میں فوج کی مداخلت کے خلاف تبدیلی

بار شیخ حسینہ نے ایسے انتخابات کو ماننے سے انکار کر دیا۔ ان کا استدلال یہ تھا کہ وزیراعظم خالدہ ضیا نے ان ججوں کا تقرر کیا تھا اور وہ ان کے زیراثر تھے اس لیئے وہ غیر جانبدار نہیں رہیں گے۔ معاملہ اتنا طویل اور پیچیدہ ہوا کہ فوج نے مداخلت کی اور انتخابات اگلے دو سال تک نہیں ہو سکے۔ خالدہ ضیا اور شیخ حسینہ دونوں جیل چلی گئیں۔ 2008 میں عوامی لیگ نے حکومت بنالی اور اکثریت کے بنیاد پر آئین میں تبدیلی لائی کہ اب فوج کسی طور مداخلت نہیں کرے گی۔ دوسری تبدیلی یہ لائی کہ آئندہ نگراں حکومت کی بجائے الیکشن کمیشن انتخابات کروائے گا۔ پچھلے انتخابات سے پہلے تک اپوزیشن میں شامل تمام جماعتوں کے رہنماؤں اور کارکنان کو جیلوں میں بند کر دیا گیا یا غائب کر دیا گیا۔ جماعت اسلامی کے صف اول کے رہنماؤں کو پھانسی دے دی گئی۔ نتیجتاً'' اپوزیشن اتحاد نے انتخابات کا بائیکاٹ کر دیا تھا۔ اور عوامی لیگ نے واضح اکثریت حاصل کر لی۔ جنرل ارشاد کی جاتی پارٹی پر پر تشدد دباؤ ڈال کر الیکشن میں حصہ لینے کو کہا اور اس طرح نام نہاد اپوزیشن بنائی گئی تھی۔ بی این پی اور جماعت اسلامی سمیت اپوزیشن جماعت انتخابات سے دور رہی۔ اب اس سال جب انتخابات سر پر ہیں تو صورت حال اس طرح ہے کہ اپوزیشن جماعتوں نے ایسے انتخابات کے بائیکاٹ کا اعلان کر دیا ہے کیونکہ الیکشن کمیشن شیخ حسینہ نے بنوایا ہے اور وہ حکومت کے زیراثر ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ انتخابات کے لیئے نگراں حکومت کا قیام عمل میں لایا جائے۔ شیخ حسینہ اس سلسلے میں ٹس سے مس نہیں ہو رہی ہیں جبکہ بیگم خالدہ ضیا کئی برسوں سے بند ہیں۔ گو کہ دو برسوں سے حکومت کے خلاف بہت بڑے پیمانے پر ریلیاں نکل رہی ہیں مگر حکومت کے کان پر

اپوزیشن نے انتخابات کے بائیکاٹ کا اعلان کردیا

جوں تک نہیں رینگی۔ ہر مظاہرے کو طاقت کے ذریعے دبایا جارہا ہے۔ ایسا لگ رہا ہے کہ جس طرح شیخ مجیب نے یک جماعتی نظام لانے کی کوشش کی تھی اسی طرح شیخ حسینہ پھر ملک میں ایک جماعتی نظام لانا چاہ رہی ہیں۔ صاف لگ رہا ہے کہ بیشتر نشستوں پر عوامی لیگ کے امیدوار بلا مقابلہ کامیاب ہوں گے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اگر انتخابات صاف شفاف ہوتے تو عوامی لیگ کو بیس فیصد

نشستیں بھی نہیں ملتی۔ اندرون ملک لوگ تو آنے والے انتخابات کو جھرلو انتخاب کہہ ہی رہے ہیں بیرون ملک اور خاص طور پر امریکہ پچھلے انتخابات سے مطمئن نہیں ہے۔ اس نے بنگلہ دیشی حکام کو

شفاف انتخابات ہوں تو عوامی لیگ کو 20 فی صد نشستیں بھی نہیں ملیں گی

امریکہ آنے والے حکومتی ارکان کا ویزہ دینے سے انکار کر دیا ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ بنگلہ دیش ایک تو صاف شفاف انتخابات کے لئے مثبت اقدامات نہیں کر رہا ہے بلکہ اپنے ملک میں انسانی حقوق کی پامالی بھی کر رہا ہے۔ امریکہ اور یورپ کی حکومتیں دباؤ ڈال رہی ہیں کہ اس بار انتخابات صاف اور شفاف ہوں اور تمام جماعتوں کو یکساں حقوق ملیں۔ مگر ایسا ہوتا نظر نہیں آرہا۔ یہاں پر یہ بتانا ضروری ہے کہ بھارت کی پوری کوشش ہے کہ شیخ حسینہ کی حکومت قائم رہے ورنہ بنگلہ دیش بھارت کے چنگل سے نکل کر چین کے ہاتھ میں جا سکتا ہے کیونکہ چین بنگلہ دیش میں بے تحاشہ معاشی سرمایہ کاری کر رہا ہے۔ اس طرح بھارت امریکہ کو قائل کرے گا کہ انتخابات کے نتیجے میں شیخ حسینہ کی حکومت ہی بنگلہ دیش کو چین سے دور رکھ سکتی ہے۔ بنگلہ دیش میں جماعت اسلامی پر پابندی ہے اور دیگر اسلامی جماعت کو بھی آگے نہیں آنے دیا جارہا ہے۔

اس طرح یہ واضح ہے کہ شیخ حسینہ ہی اگلی حکومت بنائے گی۔ ❁

2023 کیسا رہا۔2024 ارادے

بہت خطرات۔ مشکلات۔ ہلاکتوں کا سال 2023 رخصت ہورہا ہے۔ ایک نیا سال 2024 بے یقینی لے کر آرہا ہے۔ 'اطراف' نے زندگی کے مختلف شعبوں سے تعلق رکھنے والے خواتین و حضرات سے گزارش کی کہ وہ اپنے تاثرات سے نوازیں کہ 2023 کیسا رہا۔ اور 2024 کے لیے ان کے عزائم کیا ہیں۔ ملک کے مختلف حصّوں سے ہمارے کرم فرمائوں نے اپنے دلی جذبات سے آگاہ کیا ہے۔ پڑھئے اور اپنی رائے بھی ارسال کیجئے۔

2023۔زیادہ تر کے نزدیک خطرناک

2024۔ووٹ کا صحیح استعمال ہوااور کرنے دیا گیا تو خطرات دور ہوں گے

ایس ایچ جعفری۔ڈاکٹر محسن مکھیانہ۔جویریہ یاسمین۔سعدیہ سیما۔غزالہ خالد۔رانا شاہد۔فیاض الحسن۔ریحانہ اعجاز۔زینب گورائیہ۔فرحان تنیو کے تاثرات

2023۔منفی سب کچھ۔مثبت پی ڈی ایم حکومت کا خاتمہ

2024۔کونپلیں ریت سے پھوٹیں گی سردشت وفا

☆ایس ایچ جعفری

('اطراف' کے قلمی معاون۔صاحب مطالعہ۔دردمند پاکستانی۔مزاح نگار۔سابق بینکار۔کئی کتابوں کے مصنف)

دنیا کا شاید ہی کوئی ایسا ملک ہو جہاں مسئلے مسائل نہ ہوتے ہوں۔تہذیب یافتہ ممالک میں مسائل کا حل تلاش کیا جاتا ہے۔لوگوں کو سہولت فراہم کی جاتی ہے۔لیکن وطن عزیز میں معاملہ ذرا مختلف ہے۔یہاں پر وقت کے ساتھ ساتھ مسئلے کم ہونے کی بجائے بڑھتے جا رہے ہیں جس کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ جن لوگوں کو مسئلوں کا ادراک ہے ان کی اپنی زندگی عیش وعشرت میں گزر رہی ہے تمام تر سہولتیں میسر ہیں۔ہم عام لوگ اپنی تمام پریشانیوں کے لیے چند نام ورہستیوں کو موردالزام ٹھہراتے ہیں۔ حالانکہ ان میں ہم سب نے ہی اپنا حصّہ ڈالا ہوا ہے اور وطن عزیز کو مسائلیسان بنادیا ہے۔اب شاید ہی کوئی شعبہ ہو جس کے بارے میں وثوق سے کہا جاسکتا ہو کہ یہ صاف ستھرا ہے۔

سال رواں میں اگر کوئی مثبت بات ہوئی ہے تو وہ ہے پی ڈی ایم حکومت کا خاتمہ! آنے والے سال کے بارے میں تین اشعار پیش خدمت ہیں۔

نہ کوئی سمت نہ منزل سو قافلہ کیسا
رواں ہے بھیڑ فقط ہے قیاس لوگوں کی

یہ آرزو بھی بڑی چیز ہے مگر ہمدم
وصالِ یار فقط آرزو کی بات نہیں

کونپلیں ریت سے پھوٹیں گی سردشت وفا
آبیاری کے لیے خونِ جگر تو لاؤ

2023۔سیاسی شعور پر سبق سکھایا جاتا رہا
2024۔عوام پر مزید ٹیکس نہ لگائیں

☆ڈاکٹر محسن مکھیانہ جھنگ

(سرجن۔شاعر۔مزاح نگار۔ڈاکٹر محسن مکھیانہ جواں عزم ہیں۔انہوں نے بڑے خلوص سے **2023** کا جائزہ لیا ہے اور **2024** کے لیے عزائم ظاہر کیے ہیں۔ڈاکٹر صاحب بہت شکریہ۔)

☆تین اچھی باتیں

1۔ہماری24ویں کتاب Making of a Chief Surgeon شائع ہوئی جو پاکستان میں سرجری کے میدان میں ہونے والی ترقیوں اور ہماری بطور سرجن آپ بیتی ہے۔

2۔سب سے اچھی بات تو یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے ہم زندہ بھی ہیں اور تندرست بھی ہیں۔جان ہے تو جہان ہے۔اللہ تعالیٰ نے یقیناً ہمیں یہ موقع اس لیے دے رکھا ہے کہ ہم بطور سرجن عوام الناس کے لیے اپنی خدمات جاری رکھیں۔

3۔ہمارا بیٹا ڈاکٹر جبران محسن جو اسسٹنٹ پروفیسر سرجری اختر سعید میڈیکل کالج لاہور ہے اب شوکت خانم ٹرسٹ کینسر اسپتال لاہور میں وزٹنگ سرجن (وہ کینسر سرجن ہے) بھی منتخب ہوا ہے۔بڑی بیٹی سارا محسن امریکہ میں انٹرنیشنل میڈیسن میں خدمات سرانجام دے رہی ہے اور اگلے سال کے لیے بھی نوکری مل گئی ہے جبکہ چھوٹی بیٹی ملائکہ محسن کی 'احساس کہانی' کے نام سے پہلی کتاب شائع ہوئی ہے جو امریکہ کے بچوں کے سائیکاٹرسٹ ڈاکٹر محمد ذیشان کے ساتھ مشترکہ طور پر لکھی ہے وہ گورنمنٹ کالج لاہور یونیورسٹی میں بی ایس سائیکالوجی کر رہی ہے اور اپنی تنظیم **Sandbox** بھی چلا رہی ہے جو سائیکالوجی سے متعلق سیمینار کرواتی ہے اور کیمپ لگاتی ہے۔جب کہ ہماری بہو ڈاکٹر اقرا لیلین کو برطانیہ میں بطور گائناکالوجسٹ جاب مل گئی ہے۔

☆تین خطرناک باتیں

1۔بالوں کو رنگ کرنا اس لیے چھوڑ دیا ہے کہ الرجی ہوگئی تھی اب یکدم سفید بالوں کے بادل سر پر چھا جانے اور سر پر رکھی کپاس یا برف رکھنے کا گمان ہونے پر لوگوں نے ہمیں بوڑھا سمجھنا شروع کر دیا ہے حالانکہ ہم اندر سے اب بھی جوان ہیں۔خاص طور پر جب خوبصورت خواتین بوڑھا سمجھتی ہیں تو بہت دکھ ہوتا ہے۔

2۔تجربے کے ساتھ ہماری سرجری میں زیادہ نفاست اور نکھار آ گیا ہے مگر بالوں کے سفید ہونے کی وجہ سے لوگ پوچھتے ہیں کہ اب آپ بھی 'بقلم خود' سرجری کرتے ہیں۔جبکہ ہم کہتے ہیں ''کمائیں گے نہیں تو کھائیں گے کہاں سے'' اللہ تعالیٰ سے دُعاگو ہیں کہ ہم آخری سانس تک سرجری کر کے انسانیت کی خدمت کرتے رہیں۔

3۔بچے جھنگ اور پاکستان سے باہر اپنے اپنے مستقبل سنوارنے جاتے جا رہے ہیں اور ہم احساس تنہائی کا شکار ہوتے جا رہے ہیں۔بچوں کو ترقی کرنے اور زندگی میں آگے بڑھنے کے لیے ایسا کرنا بھی ضروری ہے کہ جھنگ میں تو جاب کے مواقع کیا ہوتے پاکستان میں بھی کم ہوتے جا رہے ہیں۔

2023۔علاقے کے لیے اچھی باتیں

1۔ہمارے علاقے یعنی ضلع جھنگ میں اچھی باتیں کم کم ہی ہوتی ہیں ہاں البتہ بہت عرصے سے امن ہے سکون ہے اس سے بڑھ کر اور کیا اچھی بات ہوگی۔

2۔بہت عرصے بعد ہمارے جھنگ میں عبداللہ خرم نیازی جیسا متحرک اور ترقی کا دلدادہ ڈپٹی کمشنر آیا ہے ترقیاتی کام نظر آنے شروع ہوئے ہیں۔آگے آگے دیکھیے ہوتا ہے کیا۔

3۔یونیورسٹی آف جھنگ ایک ایسا تعلیمی ادارہ بنا ہے جس سے بہت سے شعبوں میں یہاں تعلیم حاصل کی جا سکتی ہے۔سابقہ وائس چانسلر ڈاکٹر شاہد منیر نے اسے زیرو سے شروع کر کے فنکشنل کر کے دکھایا ہے۔

☆علاقے کے لیے 3 خطرناک باتیں 2023 میں

1۔جھنگ میں امن تو ہوا ہے مگر ترقیاتی کاموں کی رفتار اور تعداد ایسے ہی ہے کہ جتنا پورے ضلع جھنگ میں کام ہوا ہے اس سے کہیں زیادہ لاہور کے ایک محلے میں ترقیاتی کام ہوئے ہوں گے۔

2۔ہم خوش تھے کہ نئے ڈپٹی کمشنر صاحب بہادر نے ترقیاتی کام شروع کیے ہیں سڑکیں صاف ہو رہی ہیں پودے لگے ہیں سیوریج کے کام کی ابتدا ہو رہی ہے ابھی خوشی پوری طرح سے شروع ہی ہوئی تھی کہ دھڑا دھڑ ٹیکسوں کی نہ صرف بھرمار ہونا شروع ہوگئی بلکہ اس غربت مارے شہر میں پسے ہوئے لوگوں پر بھاری بھرکم نئے ٹیکس لگا دیے گئے ہیں اور شہر کی ترقی کی ساری خوشی غارت ہوگئی ہے کہ سارا بوجھ عوام پر ہی ڈال دیا گیا ہے۔

3ادیبوں شاعروں فنکاروں کے لیے خوشی کی ایک خبر آئی کہ یہاں جھنگ آرٹس کونسل کا قیام عمل میں لایا جا رہا ہے اور زمین بھی مختص کر دی گئی ہے مگر اب وہ معاملہ بھی کھٹائی میں پڑتا دکھائی دے رہا ہے۔

☆2023 ملک کی تین اچھی باتیں

1۔کورونا جیسی کوئی وبا نہیں آئی

2۔لوگوں میں سیاسی شعور آ گیا

-3اوپر والی دو باتیں بڑی مشکل سے یاد کی ہیں تیسری اچھی بات ذہن میں نہیں آ رہی۔

2023 ملک کی خطرناک باتیں

1۔ملک قرضوں کے بوجھ تلے دب گیا۔قرض وخیرات لے کر قرض اتار رہے ہیں۔
2۔جو بھی سیاسی شعور ظاہر کرتا تھا اسے سبق سکھایا جاتا رہا
3۔معلوم ہوا کہ عوام اوران کے لیڈران میں عقل کا فقدان ہے۔عقل فہم فراست دانش محض عسکری حکام کے پاس ہے۔جمہوریت محض دکھاوا اور شو پیس ہے۔اگر یہ بات کہیں مخفی تھی تو 2023 میں ماشاءاللہ کھل کر سامنے آ گئی ہے۔

2024 تین اہم اقدامات

1۔اپنی صحت کا خیال رکھیں صبح کی سیر کو اپنائیں۔اسلامی اصولوں کو اپنائیں۔
2۔معاشرے میں بہتری کے لیے اپنے شعبے میں زیادہ تندہی سے کام کرتے ہوئے خدمت کے جذبے کو سامنے رکھیں۔
3۔سماجی بہبود کے کاموں میں اور ادبی سرگرمیوں میں مسلسل حصہ لیتے رہیں تا کہ بہتر ماحول اور سماج کی تخلیق ہو سکے۔

علاج کے لیے

1۔علاقے کے لیے باہمی تعاون سے جو ممکن ہو خدمت کریں۔
2۔حکام اعلیٰ کو احساس دلاتے رہیں کہ آپ اعلیٰ حکام تو ہیں لیکن اعلیٰ تبھی شمار ہوں گے جب اعلیٰ اور احسن طریقے سے اپنی خدمات سرانجام دیتے رہیں اور یہ محض باتوں کی حد تک نہ ہو نظر بھی آئے۔حکام دل سے کام کریں گے تو ان کی دل سے عزت ہوگی۔ورنہ افسروں کی تو مجبوراً بھی عزت اور طابع داری کرنا پڑتی ہے نہ بھی کریں تو انہیں کروانا آتی ہے۔
3۔کوئی ایسا کام کر جائیں کہ لوگ ہمیشہ آپ کو یاد رکھیں۔

ملک کے لیے تین اہم اقدامات

1۔قرضوں سے نجات لیکن عوام پر ٹیکسوں سے احتراز۔حکومت صابن تولہ ماچس ہر چیز پر ٹیکس لگا کر روتی رہتی ہے کہ لوگ ٹیکس نہیں دیتے لیکن اپنے اللّے تللّے ختم نہیں کرتے۔جتنا بڑا افسر ہوتا ہے اس کی مراعات بھی اتنی بڑی ہوتی ہے یہ سب جائز قرار دی جاتی ہیں اور جو چھپ چھپا کر اس سے کئی گنا کھا جاتے ہیں اس کا تو شمار ہی کوئی نہیں۔
2۔حسرت ہے کہ ملک میں آزادانہ خالص اور ایماندارانہ انتخاب ہوں۔جس کے فی الحال امکانات دور دور تک نظر نہیں آتے البتہ بیان کی حد تک یہی ہے کہ انتخابات نہایت شفاف ہوں گے۔عوام کی مرضی کے لیے لیڈر کو اوپر آنے دیں۔قید و بند کہاں تک چلے گی۔عوام کسی کو تخت پر بٹھا بھی سکتے ہیں تو اتار بھی سکتے ہیں۔ڈنڈے کے زور پر انتخابات یا من پسند لیڈر کو تخت نشیں کرا کے ملک کیا خاک ترقی کرے گا۔پوری دنیا میں کیا پیغام جائے گا اور پاکستان کا کیا امیج بنے گا۔عدالتوں میں سے بھی انصاف نہیں ملے گا تو پھر کس قسم کا معاشرہ تشکیل پائے گا۔ذاتی پسند و ناپسند کی بجائے ملک کے امیج اور خوشحالی کو مقدم سمجھا جانا چاہئے۔عالم اسلام اور اقوام عالم میں پاکستان کا جھنڈا ایسے بلند کریں کہ لوگ آپ کی طرف دیکھیں نہ کہ آپ لوگوں سے بھیک مانگتے پھریں۔
3۔ایسے اقدامات کریں کہ ہمارے ملک کا ٹیلنٹ یہیں ہمارے کام آئے یہیں انہیں مواقع دیں۔اگر باہر جائیں بھی سہی تو ایسا ماحول بنائیں کہ وہ واپس آ کر ملک کی خدمت کرنے کو ترجیح دیں بہت کم ایسے لوگ ہوتے ہیں جنہیں اپنے ملک میں (عزت واحترام سے) موقع ملے تو وہ باہر جانا پسند کریں۔

2023۔35 سال بعد آزاد کشمیر میں بلدیاتی انتخابات

2024۔نئی منتخب حکومت عوامی فلاح کا روڈ میپ دے

☆جویریہ یاسمین، میرپور، آزاد کشمیر

(دردمند انسان۔شعبہ تدریس سے وابستہ۔'اطراف' کی قلمی معاون)

تین اچھی باتیں

ذاتی

1:الحمدللہ صحت اچھی رہی 2:اپنے متعین کردہ کام تکمیل تک پہنچانے میں کامیاب رہی 3:بچوں کی کامیابیوں کے حوالے سے خوش اور مطمئن رہی

علاقائی سطح پر تین اچھی باتیں

1:35 سال بعد آزاد کشمیر میں بلدیاتی انتخابات ہوئے 2:کچھ مقامی نوعیت کے مسائل کے حل میں مثبت پیش رفت دکھائی دی 3:فلاحی کاموں میں مثبت عوامی رجحان دیکھنے کو ملا

ملکی سطح پر تین اچھی باتیں

نیا سال مبارک

2023 کیسا رہا۔2024 ارادے

1:نگرانوں نے سمگلنگ کی روک تھام پر مناسب اقدامات کئے 2:ڈالر کی اڑان کو نیچے لایا گیا 3:کسی حد تک سیاسی سرگرمیوں کا آغاز

2023 کی تین خطرناک باتیں

اس حوالے سے میں خود کو اپنے علاقے کو اور پورے ملک کو ایک ہی تناظر میں دیکھتی ھوں لہذا اس حوالے سے یہ تین باتیں خطرناک نظر آئیں

1:روز افزوں مہنگائی بنیادی انسانی ضرورتوں کا آبادی کی بڑی اکثریت کی پہنچ سے نکل جانا۔ 2:بدترین سیاسی محاذ آرائی۔ 3:انفرادی علاقاءاور ملکی سطح پر منصوبہ بندی اور کفایت شعاری کا شدید فقدان۔

2024 میں کیا کیا جائے

مجھے بحیثیت فرد اپنے سال کے اہداف کی تکمیل کے لئے شروع سال سے ہی منصوبہ بندی کرنا ہوگی۔علاقائی سطح پر مثبت سیاسی اور سماجی سرگرمیوں کا فروغ جس کے نتیجے میں پر امن اور شفاف انتخابات یقینی بنائے جاسکیں۔ ملکی سطح پر نئی تشکیل شدہ حکومت کو اولین دنوں میں پارلیمنٹ میں نمائندگی رکھنے والی چھوٹی بڑی تمام سیاسی جماعتوں کو اعتماد میں لے کر عوامی فلاح کا ایک روڈ میپ دینا ہوگا جس میں واضح طور پر بتایا جائے کہ حکومت کیا کر سکتی ہے اور عوام سے اسے کس طرح کا تعاون چاہئے اور تمام حلقہ ہائے قومی وصوبائی اسمبلی سے منتخب رہنماؤں کو بلاتفریق ترقی کے سفر میں شامل کیا جائے تا کہ حکومتی اقدامات کا فائدہ فوری طور پر ملک کے ہر شہری تک پہنچتا دکھائی دے۔

سعدیہ سیما کتاب میلے میں شام بخیر کے ساتھ

2023۔لوگ ایک دوسرے کا احساس کر رہے ہیں

2024۔ووٹ کا صحیح استعمال۔اور محلّہ کمیٹیوں کا قیام

☆سعدیہ سیما۔کراچی

(شعبۂ تدریس سے وابستہ۔مطالعے کی شوقین۔مقبول تصنیف ''امّی'' کی خالق۔دردمند پاکستانی)

1۔2023 آپ کے لیے آپ کے علاقے کے لیے آپ کے ملک کے لیے کیسا رہا ؟

تین اچھی باتیں :

2023 کا آغاز اس نئی سوچ کے ساتھ کیا گیا کہ ملک وقوم کی بہتری کے لیے کچھ کام کیے جائیں گے۔ملک شدید معاشی بحران سے گزر رہا ہے۔اس کے باوجود ہماری قوم میں کچھ ایسے دردمند لوگ موجود ہیں جو غریب طبقے کی دادرسی کے لیے سرگرم عمل ہیں۔ ہمارے شہر کراچی میں اس حوالے سے مختلف فلاحی اداروں نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ میری عمر کے لوگ اپنے بچپن میں صرف ''ایدھی'' نام سے واقف تھے۔اب ہمارے شہر میں بہت سے ایسے ادارے ہیں جو بلا تخصیص لوگوں کی فلاح و بہبود کے لیے کام کر رہے ہیں۔ ہمارے شہر میں ایسے اداروں کا قیام عمل میں لایا گیا جنھوں نے نوجوانوں کے لیے مفت آئی ٹی کورس متعارف کروائے تا کہ بے روزگار نوجوانوں کے لیے ملازمت کا حصول آسان ہو سکے۔ایسے اسکول بھی کھولے گئے جہاں غریب کا بچہ مفت تعلیم کی سہولتیں حاصل کر سکتا ہے۔گو کہ ان کی تعداد آٹے میں نمک کے برابر ہے لیکن ہم یہ بات جانتے ہیں کہ قطرہ قطرہ دریا بنتا ہے۔ دوسری اچھی بات یہ ہے کہ ان نامساعد حالات نے عوام خصوصا نوجوانوں کی آنکھیں کھول دی ہیں۔ وہ نا صرف صورتحال کا مشاہدہ کرنا بلکہ تجزیہ کرنا بھی سیکھ گئے ہیں۔یہ بڑی خوش آئند بات ہے کیوں کہ تبدیلی کے عمل کی بنیاد سوچ کی تبدیلی ہے۔یہ نوجوان سوال کر رہے ہیں اور انھیں اپنے سوالوں کے جواب بھی چاہییں۔ مجھے یاد ہے کہ میرا بچپن مارشل لا کی گود میں گزرا ہے اپنی ٹین ایج کے ابتدائی زمانے تک میں کسی خیالی جنت کی باسی تھی صد شکر کہ آج کا نوجوان خیال کی دنیا میں نہیں بلکہ حقیقت کی دنیا میں رہ رہا ہے۔تیسری اچھی بات جسے میں نے اپنے اردگرد کے لوگوں میں محسوس کیا وہ یہ ہے کہ اب عوام صرف مسائل کا ذکر نہیں کر رہے،شکایات کے انبار نہیں لگا رہے بلکہ اب لوگ ان مسائل کے حل کے لیے نا صرف بات کر رہے ہیں بلکہ کوشش بھی کر رہے ہیں جیسے پٹرول کی بچت کے لیے کار پولنگ،سوداسلف کی خریداری میں ایک دوسرے کی مدد،ایک دوسرے کا ایسے مشورے دینا جن کے ذریعے کسی بھی دوسرے شخص کی زندگی کسی حد تک آسان ہو جائے۔نوجوان لڑکے اور لڑکیاں بغیر جہیز اور سادہ طریقے سے شادی کرنے پر زور دینے لگے ہیں۔گو کہ ایسے لوگ تعداد میں اب بھی کم ہیں لیکن اس بات کا روشن پہلو یہ ہے کہ لوگ اپنے ذاتی نقصان اور فائدے سے قطع نظر اجتماعیت کی بات کرنے لگے ہیں۔ انشااللہ جب اتحاد و اتفاق آہستہ آہستہ قوم کی رگوں میں خون سرایت کرنے لگے گا تو اس مردہ تن میں جان پڑ ہی جائے گی۔

2024 مجھے،میرے علاقے اور میرے ملک کو کیا کرنا چاہیے؟

1۔مومن کا ہر نیا دن اس کے پچھلے دن سے بہتر ہونا چاہیئے۔ میں چاہتی ہوں کہ نئے سال میں میرے جینے کا مقصد یہی ہونا چاہیئے۔الحمدللہ شعبہ تدریس سے وابستگی نے میرے لیے اس کام کو نسبتا آسان کر دیا ہے۔میں چاہوں گی کہ اپنی زبان،اپنے قلم اور اپنے عمل کے ذریعے مثبت سوچ اور عمل کو پروان چڑھا سکوں۔

2۔ہمیں مل کر اپنے علاقے میں چھوٹے پیمانے پر کچھ ایسے کام کرنے چاہییں جن کی وجہ سے علاقہ مکینوں کے مسائل حل ہو سکیں مثلا محلّہ کمیٹیوں کا باقاعدہ قیام عمل میں لایا جائے جو علاقے کی صفائی

ستھرائی کا انتظام کرے، پٹرول کی بچت یا دوسرے روزمرّہ کاموں کے لیے کارپولنگ کا باقاعدہ نظام قائم کرے تاکہ ایک وقت میں زیادہ گاڑیوں کا استعمال نہ ہوسکے تاکہ بڑھتی ہوئی مہنگائی کا کسی حد تک مقابلہ کیا جاسکے۔ایک اور اہم بات یہ ہے کہ ان کمیٹیوں کے ذمہ داران اربابِ اختیار سے ملاقات کرکے اپنے مسئلے حل کروانے کی کوشش بھی کریں تاکہ انھیں اندازہ ہوسکے کہ عوام ابھی زندہ بھی ہیں اور انھیں اپنے حقوق بھی یاد ہیں۔

3۔ملکی سطح پر بہتری لانے کے لیے ضروری ہے کہ عوام اپنی طاقت کو پہچانیں۔اگر الیکشن بروقت ہوتے ہیں تو ووٹ کی طاقت کا صحیح استعمال کریں۔پاکستان ایک جسم کی مانند ہے۔اس جسم کو دوبارہ توانا کرنے اور اپنے پیروں پر کھڑا کرنے کے لیے ضروری ہے ہر شخص ایمانداری اور خلوصِ نیت کے ساتھ اپنے فرائض کی انجام دہی میں مصروفِ عمل ہو جائے۔حکومتی سطح پر ایسی پالیسیاں اور منصوبے بنائے جائیں جو صرف اور صرف ملکی مفاد میں ہوں۔یہ باتیں اسی وقت حقیقت کا روپ دھار سکتی ہیں جب ہم سب کا اللہ تعالیٰ پر ایمان پختہ ہو۔اعمال کا دارومدار نیت پر ہے اور بزرگ کہہ گئے ہیں۔

"نیت صادق منزل آسان"

2023۔قانون مزید اندھا۔انصاف مزید گونگا

2024۔نوجوانوں کو مواقع دے کر ملک میں ہی روکا جائے

☆غزالہ خالد۔کراچی

(دردمند پاکستانی۔'اَن کہی' کی مصنفہ۔مصیبت زدگان کا خیال رکھنے والی۔مطالعے کی عادی)

سال2023 بھی گذر ہی گیا اب تو لگتا ہے کہ ادھر سال شروع ہوا اور ادھر پلک جھپکتے ہی بیت بھی گیا شاید دنیا بہت تیز رفتار ہوگئی ہے یا اب ہمیں ہی ایسا لگنے لگا ہے۔

ہر سال نئی امیدوں کے ساتھ شروع ہوتا ہے اور پھر کچھ تلخ وشیریں یادیں دیکر چلا جاتا ہے 2023 نے بھی کم وبیش یہی کیا لیکن افسوس کہ 2023 کے حوالے سے تلخ یادیں بہت زیادہ ہیں یہ سال ہمارے ملک کے لئے ہمارے علاقے کے لئے کسی طور بھی اچھا نہیں رہا۔

کافی دیر سوچنے پر بھی علاقے اور ملک کے حوالے سے کوئی اچھی بات یاد نہ آئی۔یہاں تک کہ کھیلوں میں بھی کوئی جھنڈے نہ گاڑ سکے۔ہر جگہ ناکامی،ناامیدی اور مایوسی لئے یہ سال تمام ہوا۔

اگر ہم 2023 کا اس طرح جائزہ لیں کہ وہ تین اچھی باتیں کون سی ہیں جو اس سال نے ہمیں دیں تو ذاتی طور پر تو میرا جواب ہوگا کہ

1۔زندہ رہے صحتمند رہے الحمدللہ۔

2۔اپنی تحاریر کو کتاب کی شکل میں شائع کروایا اس کی تقریب رونمائی ہوئی اور وہ بھی جناب محمود شام صاحب کی زیرِ صدارت ہوئی۔الحمدللہ۔

3۔بچوں نے جو پاکستان اور بیرون ملک کی بھی بہترین یونیورسٹیوں سے پڑھے ہوئے ابھی تک ملک چھوڑ کر جانے کی بات نہیں کی ایک بار پھر الحمدللہ۔کیونکہ میرے لئے یہ تینوں باتیں بہت اہم ہیں۔

اب اگر 3 خطرناک باتوں کو یاد کریں تو میرا جواب ہوگا کہ صرف تین!!

نہایت افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ ملکی لحاظ سے میری نظر میں یہ سال 2023 ہماری تاریخ کا سیاہ ترین سال تھا اور اس میں صرف تین نہیں بہت سی خطرناک باتیں ہوئیں لیکن چونکہ صرف تین ہی لکھنی ہیں اور وہ بھی مختصر لکھنی ہیں تو چلیں ٹھیک ہے تین ہی پڑھ لیجئے۔

1۔اس سال قانون مزید اندھا اور انصاف مزید گونگا نظر آیا۔

2۔اقتدار کی خاطر تماشے نہیں بلکہ "تپکی تماشے" دیکھنے کو ملے اور باغ کے مالی باغ کو سنوارنے کے بجائے شاخوں پر کلہاڑے برساتے دکھائی دئے۔

3۔نوجوان ملک چھوڑتے پائے گئے اور یہ بات نہایت افسوسناک اور ملک کے لئے خطرناک ہے۔

اور اب 2024 شروع ہورہا ہے

جو ہمارے ملک میں الیکشن کا سال ہے اسی لئے اہم بھی ہے کیونکہ الیکشن آتے ہی "قربانی کے بکرے" بنے عوام اچانک اہم ہوجاتے ہیں اگر ہم نئے سال کے حوالے سے روڈ میپ کی بات کریں تو کہانی ذرا لمبی ہوجائے گی یعنی کہاں تک سنوگے کہاں تک سناؤں!لیکن صرف 3 ابتدائی اقدامات ہی ہوجائیں تو بہت ہوگا۔

1۔سیاسی بے یقینی اور خوف کا ماحول ختم ہونا چاہئے۔

2۔کشمکش میں مبتلا نوجوانوں کو تعلیم،روزگار،امن وامان اور صحت کی سہولتیں دیکر ملک میں ہی روکنے کی کوشش کی جائے کیونکہ نوجوانوں کے بغیر کسی بھی ملک کی ترقی ناممکن ہے۔

3۔سب سے اہم اور ضروری بات یہ کہ قانون کی حکمرانی کے بغیر ملک نہیں سنبھل سکتا اور مالی بھی کلہاڑے چلانے کے بجائے پھول کی بکھری پتیوں کو جوڑ کر دوبارہ پھول کی شکل دے دیں تو شاید ملک کے حالات سنور جائیں۔

آخر میں نئے سال سے یہی کہنا ہے کہ

تو نیا ہے تو دکھا صبح نئی،شام نئی
ورنہ ان آنکھوں نے دیکھے ہیں نئے سال کئی

2023۔ذاتی طور پر خوشگوار ملکی سطح پر بے چینی

2024۔حکمران مہنگائی پر قابو پائیں

☆رانا محمد شاہد۔بورے والا

('اطراف' کے قلمی معاون کئی کتابوں کے مصنف۔اپنے شہر اور اپنے ملک کے لیے دردمند)

2023ء کے حوالے سے اگر میں اپنی بات کروں تو میرے لیے بہت خوشی کا سال تھا۔مارچ2023ء میں میری دوسری کتاب "گئے دنوں کے چراغ" شائع ہوئی اور اب دسمبر2023ء کے تیسرے ہفتے میں تیسری کتاب "نگارشات شاہد" شائع ہورہی ہے۔اکتوبر کی26 تاریخ کو اللہ تعالی نے تیسری اولاد بیٹے کی نعمت سے نوازا۔یوں میرے لیے تو یہ سال خوشیوں بھرا رہا۔میرے شہر میں تجارتی سرگرمیاں تیزی سے بڑھیں۔نئے ریسٹورنٹس اور کاروباری مال بنے۔کئی نئے تعلیمی ادارے بچوں کی بہترین تعلیم کیلیے سرگرم رہے۔ اگر خطرناک باتوں کی بات کی جائے تو مجھے شوگر نے پریشان کئے رکھا اور اچھا خاصا کیا۔شہر کی بات کی جائے تو سال کے آخر میں شہر کی بڑی سڑکیں اکھاڑ دی گئیں۔جواب تک تقریبا ویسے ہی ہیں۔یوں شہری اپنے ہی شہر میں ادھر سے ادھر جانے میں خوار ہورہے ہیں۔اگر ملکی سطح کی بات کی جائے تو مہنگائی، بیروزگاری اور امن وامان کی صورتحال نے ہر محب وطن شہری کو بےچین کیے رکھا۔

2024ء۔تین اہم اقدامات

1: مجھے ایک اچھا اور قانون کی پاسداری کرنے والا شہری بننا چاہیے۔معاشرے کے بےبس لوگوں کا خیال رکھنا چاہیے۔

2: میرے علاقے اور شہر کی انتظامیہ کو شہریوں کیلیے زیادہ سے زیادہ آسانی پیدا کرنی چاہیے۔

3: میرے ملک کے حکمرانوں کو مہنگائی پر قابو پانا چاہیے۔اس لیے کہ یہ اس وقت عوام کا سب سے بڑا مسئلہ ہے۔مہنگائی کی وجہ سے گھروں میں لڑائی جھگڑے، حتی کہ خودکشی تک کے واقعات ہورہے ہیں۔

2023۔آئی ایم ایف کی سخت ترین شرائط

2024۔زرعی پیداوار بڑھانے پر توجہ دی جائے

☆فیاض الحسن۔حیدر آباد

(دردمند پاکستانی۔ادبی محفلوں کی جان۔مطالعے کے عادی)

نیک تمناؤں اور باعمل کاوشوں کے ساتھ2024 کو خوش آمدید۔اس ضمن میں سال گزشتہ سے چند تکلیف دہ وجوہ اور2024 میں بہتری کے لیے تجاویز۔

.1. ڈالر کی بڑھتی ہوئی قیمت۔

.2 قرضوں کے بوجھ تلے دبی ہوئی معیشت۔

.3 زرعی ملک ہونے کے باوجود زراعت میں سست روی۔

سال گذشتہ ڈالر کی بلند ترین پرواز مبلغ 312 نے پاکستان کی تاریخ میں بدترین بحران پیدا کر کے معیشت کو اس جھولے میں ڈال دیا جواب تک ہل رہا ہے۔۔اور عوام ایک دوسرے کا بےبسی کے عالم میں منہ تکتے رہے۔۔یہاں یہ امر انتہائی قابل وضاحت ہے کہ کسی بھی ملک کے زرمبادلہ کے ذخائر سونا یا ڈالر کی شکل میں موجود ہوتے ہیں جس کی بناپر معیشت کا پہیہ گھومتا ہے۔۔اور ملک خوشحالی کی جانب گامزن ہوتا ہے۔ڈالر کی قیمت میں روپے کے مقابلے میں کمی تو واقع ہوئی مگر ملکی ذرائع آمدن کے ذخائر کے بجائے آئی ایم ایف کی مدد کے باعث۔۔جس کے نتیجے میں پاکستانی معیشت آئی سی یو سے نکل کر ملک کو دیوالیہ ہونے سے بچانے میں کامیاب تو ہوگئے۔مگر اس معاشی بحران کی دلدل سے باہر نکلنے کے لئے مجبوراً آئی ایم ایف کی شرائط کے سامنے سر کو جھکانا پڑا۔۔اگر یہ کہا جائے کہ آئی ایم ایف کی سابقہ تمام شرائط سے زیادہ سخت تھیں۔۔تو۔۔۔بے جا نہ ہوگا۔بجلی۔پیٹرول اور اس سے بنی مصنوعات۔اور روزمرہ ضروریات زندگی کی اشیاء غریب طبقہ کے لیے مشکلات کا باعث ثابت ہوئیں۔کیونکہ ملکی زرمبادلہ کے ذخائر کم ہونے کی بناپر بجلی پٹرول اور دیگر پر حکومت کی جانب سے سبسڈی نہ دینا مجبوری بن گیا اور آئی ایم ایف کی شرائط کی تکمیل کے نتیجے میں مہنگائی کا جن بے قابو ہوکر عوام کو کھانے لگا۔بے روزگاری۔مہنگائی۔اور غیر یقینی صورتحال نے اپنے قدم مضبوط کر لئے۔

پاکستان ایک زرعی ملک کی حیثیت سے دنیا میں شناخت رکھتا ہے اور معدنیات بھی وافر مقدار میں موجود ہیں۔۔باوجود اس کے ہم معاشی ترقی میں اپنا وہ مقام نہ بنا سکے جو ایک آزاد ملک کو بنانا چاہیے تھا۔کیونکہ ہمارے ملک میں قرض کی مالیت تعلیمی ترقیاتی و دیگر اخراجات سے کہیں زیادہ ہے اور یہ قرضوں کا بوجھ سست رفتار ترقی کا باعث بن رہا ہے۔مگر غیر یقینی صورتحال پیدا کرتے ہوئے ملکی ترقی کی راہ میں رکاوٹ بھی۔جس کا اہم پہلو قرضوں میں کمی لانے کی غرض سے کوئی بامقصد پالیسی مرتب نہ ہونے کی بناپر روز بروز ضروریات زندگی کی اشیاء میں اضافہ ہمارا منہ چڑا رہا ہے۔ڈالر کی اچانک اونچی پرواز نے برآمدات اور درآمدات کو تو متاثر کیا ہی مگر اس کے زیادہ تر اثرات عوام پر پڑے۔۔کیونکہ ڈالر کی بڑھتی ہوئی قیمت نے روزمرہ کی اشیاء کی قیمتوں کو عام آدمی کی پہنچ سے دور کر دیا۔جس کے باعث ضروریات زندگی کی اشیاء سمیت کاغذ

اسٹیشنری درسی کتب بھی محفوظ نہ رہ سکیں۔اور ملک کا غریب طبقہ بحالت مجبوری وقت کو دھکا دینے لگا۔ ہمارا ملک معقول ذرائع آمدن نہ ہونے کے سبب ڈالر کی پرواز۔معاشی ترقی کی ست روی کو بھی نہ روک سکا جس کے باعث غیر یقینی کیفیت سے عوام کے ساتھ ساتھ تاجران بھی متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔جبکہ عوام کو سماجی ذہنی ہم آہنگی سے دوری اور مزاج میں چڑچڑا پن جیسی کیفیت سے بھی دوچار ہونا پڑا۔ روز بروز بڑھتی ہوئی مہنگائی۔ بے روزگاری اور غیر یقینی کیفیت پر عوام ہی شکوہ نہیں کر رہے بلکہ حکومتی سطح پر بھی اس کا برملا اعتراف کیا جا رہا ہے۔آرٹس کونسل آف پاکستان میں منعقدہ عالمی اردو کانفرنس کے دوسرے دن بحیثیت مہمان خصوصی گورنر سندھ کامران ٹیسوری نے براہ راست پروگرام میں اپنے خطاب میں باقاعدہ اس کا اعتراف کیا کہ حکومت پاکستان عوام کو ماسوائے۔دھوکہ۔ بے روزگاری۔مہنگائی اور غیر یقینی صورتحال کے سوا کچھ نہیں دے رہی ہے۔۔اس ضمن میں صرف اور صرف اعتراف ہی نہیں بلکہ عملی اقدامات کی شدت سے ضرورت ہے۔

اہم اقدامات

حکومت پاکستان کا یہ اولین فرض ہے کہ اس معاشی بحران اور بے یقینی کی کیفیت کو ختم کرنے کے لیے ٹیکسٹائل ادویات۔آٹو موبائل۔اور دیگر صنعتوں کو بجلی گیس کی طلب پوری کرے۔ملک میں بند صنعتوں کو کھولنے۔مالیاتی اداروں کو مستحکم بنانے کے لیے موثر اقدامات کرتے ہوئے پالیسی مرتب کی جائے۔تاکہ روزگار کے مزید مواقع فراہم ہوں اور بے روزگاری کا خاتمہ ممکن ہو۔بیمار صنعتیں صحت مند ہو کر ملکی معیشت کو مضبوط کر سکیں۔تاکہ ٹیکس کا نظام موثر اور کارآمد ثابت ہو سکے۔عوام ٹیکس کو دینا اپنا فرض سمجھتے ہوئے فخریہ معزز و محب وطن شہری کہلوانا پسند کر سکیں۔بیشتر افراد کے گھروں میں موجود رقم (خواہ وہ غیر ملکی کرنسی کی شکل میں ہو) یا کلو کے حساب سے گھر میں محفوظ سونا) معیشت کی ترقی کے لیے استعمال کرنے کی ہمت پیدا ہو سکے۔حکومتی سطح پر نجی چھوٹے کاروبار کو وسعت دینے کے لیے موثر اقدامات۔برآمدات۔محصولات اور غیر ملکی سرمایہ کاری کو فروغ دیا جائے۔عالمی منڈی میں اپنی شناخت بنانے کے لیے واضح پالیسی ترتیب دی جائے۔بیرونی امداد پر انحصار کرنے کے بجائے ملکی ذرائع آمدن پر نگاہ مرکوز رکھتے ہوئے زرمبادلہ کے ذخائر میں اضافہ کیا جائے۔زرعی ملک کے شعبہ زراعت اور اس سے وابستہ افراد۔زرعی اجناس میں پیداوار میں اضافہ کرنے کی غرض سے حکومتی سطح پر ہر ممکنہ تعاون اور سرپرستی کی اپنا شعار بنایا جائے۔ملک میں زرعی یونیورسٹیوں میں زرعی تجربات اور تعلیم کے نام پر پاکستانی خزانے پر پڑھنے والے بوجھ کو کم کرتے ہوئے۔ان عوامل پر خصوصی توجہ دی جائے جس کی شعبہ زراعت کو اشد ضرورت ہے۔اور ملک میں زرعی اجناس کی مصنوعی قلت پیدا کرنے والوں کے لیے قانون پر عمل درآمد کرایا جائے۔ بیرون ملک سے زرعی اجناس منگوانے کے بجائے اپنے ملک میں اجناس کی پیداوار پر خصوصی توجہ دی جائے۔شعبہ تعلیم اور طلبہ کو تعلیمی ماحول کی فراہمی اور مخلص اساتذہ مہیا کیے جائیں۔ماہ فروری میں الیکشن کے سیاسی نظام کو قابو کر کے سماجی ذہنی ہم آہنگی پیدا کی جائے۔تاکہ ملک میں سیاسی نظام کو عروج حاصل ہو۔سیاسی جماعتوں پر اعتماد کی فضا قائم ہو سکے۔اور ہم جمہوریہ پاکستان کے فرد۔اور جمہوریت پسند شہری کہلوا سکیں۔

اس حقیقت سے انکار ناممکن ہے کہ ملک کو درپیش ان عوامل سے پردہ پوشی کیے بغیر ترقی ممکن ہو سکتی ہے۔ ملک کے سرکاری غیر سرکاری اداروں میں اعتماد و ترقی۔قانون کی بالادستی کے لیے اپنی اپنی غیر ضروری ترجیحات کو بالائے طاق رکھتے ہوئے اپنی اپنی سوچ کو بلند کرنا ہوگا۔۔تب ہی جا کر ہم اپنی دھرتی کو ماں کہہ سکیں گے۔۔اور قرض میں جکڑی ہوئی یہ دھرتی ماں ابتدائی سالوں کی مانند دیگر ملکوں کو قرضہ دینے کے قابل بن جائے گی۔۔اور قرضوں کے بوجھ تلے دبی ہوئی معیشت معاشی ترقی میں ست رفتاری سے بڑھ کر برق رفتاری کی شکل اختیار کرتے ہوئے ملکی توازن قائم رکھنے میں اہم ترین ثابت ہوگی۔بشرطیکہ ملک سے ناامید ہونے کے بجائے ان عوامل پر سنجیدگی سے غور و عمل کر کے خود کو محب وطن ثابت کیا جائے۔

نہیں ہے ناامید اقبال اپنی کشت ویراں سے
ذرا نم ہو تو یہ مٹی بہت زرخیز ہے ساقی

2023۔ڈیفنس کراچی کی حالت کالونیوں جیسی رہی

2024۔گورنمنٹ اسکولوں میں پرائیویٹ اسکولوں جیسی سہولتیں

☆ ریحانہ اعجاز۔کراچی

(شاعرہ۔کہانی کار۔بچوں کے لیے کئی کتابوں کی مصنفہ۔مطالعے کی عادی)

2023 آپ کے لیے، آپ کے علاقے کے لیے، آپ کے ملک کے لیے کیسا رہا؟

میرے لیے 2023 میں ہر لحاظ سے خوش حالی کا دور دورہ رہا الحمدللہ

1: اللہ نے بیشمار نعمتیں عطا کیں جن میں سب سے بڑا تحفہ میرا پوتا ''نوح بن اسامہ'' کی صورت عطا کیا۔

2: میرے چھوٹے بیٹے ''علی بن اعجاز'' نے انجینئرنگ کی تعلیم مکمل کی اور ساتھ ہی بہترین ادارے میں جاب بھی حاصل کی۔

3: میرے شہزادے ''یوسف بن اسامہ'' کا پہلا ٹی وی کمرشل ''مسلے سیریلیک'' بھی دو سال کی عمر میں ستمبر 2023 کو آن ائیر آیا، یوں 2023 میرے لیے بہترین رہا۔

میرے علاقے میں نہ کچھ اچھا ہوا نہ برا ہوا۔

لیکن روز افزوں ڈیفنس کی حالت بھی کالونیوں جیسی ہوتی جا رہی ہے اور 2023 میں ڈیفنس کی حالت میں کوئی بہتری نظر نہیں آئی۔پورے ڈیفنس میں پانی کا قحط ہے۔ٹینکر اور منرل واٹر کی صورت ڈیفنس کے رہائشیوں کی جیبوں پر ڈاکہ ڈالا جا رہا ہے اور ڈی ایچ اے والے جو دن رات پورے ڈیفنس میں کھدائیاں کرواتے رہتے ہیں وہ پانی کی پائپ لائن مہیا کرنے سے قاصر ہیں۔

20231 میرے ملک کے لیے انتہائی ناسازگار رہا۔کہیں کوئی ترقی دکھائی نہ دی بلکہ ملک مسلسل تنزلی کی جانب مائل بہ سفر رہا۔

2023 کیسا رہا۔2024 ارادے

2: پیٹرول، بجلی، اشیائے خوردونوش میں ریکارڈ توڑ اضافہ دیکھنے میں آیا۔

3: مہنگائی اور زبوں حالی کی وجہ سے 2023 میں سب سے زیادہ پاکستانیوں نے نقل مکانی کا ارادہ کیا۔ ان گنت لوگ وطن چھوڑ کر پردیس کی خاک چھاننے نکل پڑے۔

2024 میں آپ کو، آپ کے علاقے کو، آپ کے ملک کو کیا کرنا چاہیے؟ تین اہم اقدامات۔

20241 میں بچوں کے بہتر مستقبل کے لیے ان کی عملی زندگی، پڑھائی لکھائی کے لیے پاکستان میں کچھ ایسے اقدامات کی ضرورت ہے جس سے بچے صحیح معنوں میں تعلیم حاصل کر سکیں، میں نہیں چاہتی آنے والے دور میں بھی بچے محض فرسٹ، سیکنڈ، تھرڈ کی دوڑ میں شامل ہونے کے لیے اپنے کاندھوں پر گدھوں کی مانند بیجا بوجھ لادیں۔

پاکستان میں اچھی اور معیاری تعلیم کے لیے میری، میرے علاقے اور پورے ملک کی ذمے داری ہے کہ سب سے پہلے بچوں کی بہترین تعلیم و تربیت کا بندوبست کیا جائے۔

مناسب فیس کے ساتھ اعلیٰ پیانے کے گورنمنٹ اسکولز میں پرائیویٹ اسکولز والی سہولتیں دیتے ہوئے تعلیم کو مساوی کیا جائے۔

کتابوں کا بوجھ کم سے کم کرتے ہوئے ضروری اور بنیادی تعلیم فراہم کی جائے۔

2: ہم سب کو مل کر کوشش کرنی چاہئے کہ نئے سال میں مہنگائی کے جن سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لیے ان اشیاء کا مکمل بائیکاٹ کیا جائے جن کی قیمتوں میں بیجا اضافہ کیا جا رہا ہے۔ دودھ، چینی، گھی، بجلی، پیٹرول، دالیں، چاول، آئل، گوشت وغیرہ اگر چند دن محض چند دن کے لیے خریدنا چھوڑ دیں تو یقین جانیے تین دن میں ہی پورے ملک میں کھلبلی مچ جائے گی لیکن افسوس جنہیں مہنگائی سے چنداں فرق نہیں پڑتا وہ ایسا کوئی بھی قدم نہ اٹھا کر پورے ملک میں قحط سالی کا بیج بو رہے ہیں۔

20243 میں اگر الیکشن ہوتے ہیں تو ہم سب کا فرض ہے پوری ایمانداری و دیانت داری سے اپنے ووٹ استعمال کریں اور جنہیں ووٹ دیں، جنہیں اپنے اگلے پانچ سال کا محافظ بنائیں ان سے پہلے حلف لیا جائے کہ وہ آنے والے دنوں میں کون کون سے اہم کام انجام دے کر پاکستان کو تنزلی سے ترقی کی جانب گامزن کرنے میں اپنا کردار کریں گے۔

ہر محلے ہر علاقے میں ایسی کمیٹیاں بنائی جائیں جن کے سربراہ ووٹ کے طلبگاروں سے اپنے حقوق کے بارے میں باز پرس کرنے کا حوصلہ رکھتے ہوں۔

2023۔ چادر اور چار دیواری کا تقدس پامال

2024۔ کشکول توڑ کر اپنے زور بازو پر انحصار

☆ زینب گورائیہ۔ گوجرانوالہ

('اطراف' کی قلمی معاون۔ دردمند پاکستانی۔ مطالعے کی عادی۔ خوشحال پاکستان دیکھنے کی تمنائی)

اچھی باتیں

1۔ امیرے لیے اللہ پاک نے 2023 کے آغاز ہی میں بڑی عنایت اور مہربانی فرمائی، میری منجھلی بیٹی کو روہیمپٹن یونیورسٹی لندن میں شعبہ وکالت میں داخلہ مل گیا۔

2۔ اللہ پاک نے میرے بیٹے کو قرآن حفظ کرنے کی سعادت نصیب کی

3۔ حالیہ دسمبر میں میری سب سے چھوٹی بیٹی کو بھی روہیمپٹن یونیورسٹی لندن میں شعبہ وکالت میں داخلہ مل گیا لاکھوں کروڑوں مرتبہ شکرانہ اس پاک رب کا۔

علاقے کے لیے:

1۔ علاقہ زیادہ کمرشل ہو رہا ہے۔ 2۔ روزگار کے ذرائع بڑھ رہے ہیں نئی نئی دوکانیں کھلنے کی وجہ سے ضروریات زندگی کی ہر چیز آسانی سے دستیاب ہے۔ 3۔ نئے نئے اسکول کھل رہے ہیں۔

ملک کے لیے

1۔ پاکستان آئی ایم ایف کا پیکج حاصل کرنے میں کامیاب ہو گیا (سیاست داؤ پر لگا کر ریاست بچائی گئی) 2۔ ملک کے لیے 2023 کا سال اس شعر کی عکاسی کرتا ہے

منیر اس ملک پر آسیب کا سایہ ہے کیا ہے
کہ دھڑکن تیز تر ہے اور سفر آہستہ

خطرناک باتیں

ملک کے لیے

1۔ مہنگائی نے گھریلو بجٹ کو شدید متاثر کیا 2۔ بچوں کے بیرون ملک چلے جانے سے گھر کی رونقیں کم ہو گئیں۔ 3۔ صحت کے مسائل بڑھے۔

علاقے کے لیے

1۔ صفائی کا فقدان 2۔ ٹریفک کا بے ہنگم شور 3۔ گیس، بجلی کی طویل بندش

ملک کے لیے

1۔ 9 مئی کے بعد چادر اور چار دیواری کا تحفظ بری طرح پامال ہوا۔ 2۔ خودکش حملوں میں اضافہ۔ 3۔ 8 مارچ کو ظل شاہ کا بدترین ریاستی تشدد کے باعث انتقال

نہایت معافی کے ساتھ جناب آپ کے دوسرے سوال پر چند تحفظات ہیں۔سوال تھا کہ 2024 میں آپ کو
1۔علاقے کو، ملک کو کیا اقدامات کرنے چاہئیں۔اس کی بجائے اہل علاقہ اور ملک کے باشندوں یا عوام کو کیا اقدامات کرنے چاہئیں زیادہ موزوں رہتے۔
2۔(ا)2024 میں اچھا سچا اور عملی مسلمان بننے کا ارادہ (۲) محب وطن پاکستانی اور مفید شہری بننے کا عزم (۳) قابل تقلید ماں۔

علاقہ

1۔مسجدوں میں نمازیوں کی تعداد میں اضافہ کے لیے عملی اقدامات
2۔بجلی گیس کی مسلسل ترسیل کے لیے اقدامات کرنا
3۔لا ء آڈر کا مسئلہ حل کرنا ملک (ا) مہنگائی پر قابو: (۲) کشکول توڑ کر اپنے زور بازو پر انحصار (۳) مقتدر حلقوں کو اپنے رنگ ڈھنگ بدلنا ہوں گے کہیں ایسا نہ ہو کہ اب کے بار بھی اکثریت ہار جائے اور عسکریت جیت جائے۔

2023۔غیر قانونی پناہ گزینوں کو اپنے وطن بھیجنے کا اعلان

2024۔تمام مادری زبانوں کو قومی زبانوں کا درجہ دیا جائے

☆فرحان تنیو۔کراچی

(جوان سال۔جواں عزم صحافی۔کالم نگار۔مترجم۔'اطراف' کے قلمی معاون۔بہتر مستقبل کی امید رکھنے والے)

زندگی ایک ایسا سفر ہے جو جنم سے لیکر آخری سانس تک بلا تعطل چلتا رہتا ہے، سکھ ہوں یا دکھ، گرمی ہو یا سردی، خزاں ہو بہار، محبت ہو یا نفرت ہر موسم، ہر احساس، ہر جذبہ کیساتھ ہر صورت اور ہر حال میں یہ سفر آگے ہی بڑھتا چلا جاتا ہے۔تیز دوڑتے ہوئے اس سفر میں پتہ ہی نہیں چلتا کہ کب صبح، شام، شب، روز، دن، ماہ اور مہینے برس میں تبدیل ہو جاتے ہیں۔

شب و روز، ماہ و سال کے اس تسلسل میں 2023ء بھی رخصت ہو گیا اور پاکستان سمیت دنیا نئے سال 2024ء کا اس امید پر استقبال کرے گی کہ نیا سال کرہ ارض پر بسنے والے آٹھ ارب نفوس کیلئے خوشیوں، مسرتوں اور کامیابوں کی اک نئی نوید لیکر آئے گا۔

2023ء کا سال یوں تو مجموعی طور پر مشکلات کے نرغے میں رہا مگر وہیں اسی سال میں چند بہتر باتیں بھی نظر آئیں جو قابل ذکر ہیں۔

تین مثبت باتیں:

01۔میرے علاقے میں 2022ء کے تباہ کن سیلاب کے بعد دھان کی فصل کی اچھی پیداوار ہوئی جس سے چھتوں کے سائے محروم کسانوں اور کاشتکاروں کے چہروں پر خوشی کے آثار نمایاں ہیں۔

02۔سندھ سمیت پاکستان میں مقیم غیر قانونی پناہ گزین جو بلاشبہ گذشتہ چار دہائیوں سے مقامی افراد، ملک اور سماج کیلئے ان گنت مسائل کا سبب بنے ہوئے تھے، ان کی اپنے وطن واپسی کا اعلان کیا گیا، باوجود اس کے کہ پناہ گزینوں کی واپسی سست روی کا شکار ہے مگر برسہا برس سے پاکستانی شہریوں کا جو مطالبہ تھا وہ بالآخر پورا ہوتا نظر آرہا ہے۔

03۔اسمبلیوں کی آئینی مدت پوری ہونے کے بعد نوے روز کے اندر انتخابات کرانے ہوتے ہیں مگر اس بار تین ماہ کے اندر عام انتخابات کا انعقاد ممکن نہیں ہو سکا، بہرحال سپریم کورٹ نے انتخابات کرانے کا حکم اور تاریخ بھی دے دی جو کہ مستقبل کیلئے ایک بہتر عمل ثابت ہوگا۔

یہ تو ہو گئیں تین مثبت باتیں اب چلتے ہیں تین خطرناک باتوں کو طرف جو 2023ء میں میرے مشاہدے میں آئی ہیں۔

01۔سال 2023ء میں میرے لیے جو خطرناک بات رہی وہ مہنگائی، بجلی و گیس کے بلوں میں بے پناہ اضافہ ہونا تھا جس کے باعث آمدنی اور خرچوں میں تفاوت میں خطرناک حد تک اضافہ ہوا۔

02۔اگر علاقے کی بات کی جائے **2022** ء کے سیلاب کو ڈیڑھ برس کا عرصہ گزر جانے کے باوجود سینکڑوں متاثرہ خاندان کیمپوں اور کھلے آسمان تلے امداد کے منتظر ہیں، حکومت کو چاہیے کہ ان کی جلد از جلد مدد کی جائے۔

03۔سابق صدر آصف علی زرداری اور سابق وزیر اعظم عمران خان کیجانب سے غیر قانونی پناہ گزینوں کی اپنے وطن واپسی کے فیصلے کی مخالفت کرنا بحیثیت ایک فرد، قوم اور ملک ہم سب کیلئے انتہائی خطرناک بات ہے کیوں کہ ایک ملک کا آئینی سربراہ اور وزیر اعظم جنھیں اپنی مخدوش معاشی صورتحال کا بخوبی ادراک ہو، ایسی غیر سنجیدہ بات کریں تو سب کے لیے لمحۂ فکریہ ضرور ہے۔

2024ء کو بہتر بنانے کیلئے مجھے، میرے علاقے اور ملک کو کیا کرنا چاہئے؟

01۔ میرے خیال میں مجھے ایک کتاب شائع کرنی چاہیے تا کہ ادب و شاعری کی خدمت کا ادھورا خواب پورا ہو سکے۔

02۔میرے علاقے کے افراد کو انتخابات میں سوچ سمجھ کر ووٹ کا حق استعمال کرنا چاہئے تا کہ کم از کم اگلی حکومت انہیں ماضئ قریب کی طرح دن میں تارے نہ دکھائے اور معاشی حالات کی بہتری ممکن ہو سکے۔

03۔پاکستان کو ایک نئے عمرانی معاہدے کی ضرورت ہے، سندھ، بلوچستان اور خیبر پختونخوا کے ناراض لوگوں سے مذاکرات کرنے اور صوبائی خودمختاری کو مزید مضبوط کرنے کیلئے اقدامات کئے جائیں، تمام مادری زبانوں کو پاکستان کی قومی زبانوں کا درجہ دیا جائے۔ ۞

نیا سال مبارک

بوریوالہ 2023۔کیسا۔2024 کیا ہوگا

بورے والا کی ممتاز شخصیات سے 'اطراف' کے لیے رانا محمد شاہد نے انٹرویو کیے ۔ دیکھئے بورے والا میں 2023 کیسا رہا۔ 2024 کے لیے کیا عزائم ہیں۔

2023۔ملکی سطح پر مایوس کن رہا۔ پروفیسر قربان علی قاصر

2023۔باوجود کوشش کے بورے والا ضلع نہ بن سکا۔عمران علی

2023۔خوشی کا باعث۔اکلوتے بیٹے کی شادی۔رانا سلطان محمود

2024۔معاشی اور سیاسی استحکام کو یقینی بنائیں۔ پروفیسر قربان علی قاصر

2024۔حکومتی اخراجات کم کیے جائیں۔رانا سلطان محمود

جائزہ۔رانا محمد شاہد (بورے والا)

پروفیسر قربان علی قاصر

1۔الحمدللہ میرے لیے 2023 عمومی سطح پر اچھا رہا جبکہ میرے علاقے کے لیے بھی تعلیمی اور تعمیری حوالے سے اچھا رہا۔البتہ ملکی سطح پر غیر مستحکم معاشی, سیاسی اور معاشرتی صورتِ حال کی وجہ سے انتہائی مایوس کُن, پریشان کُن رہا۔
2۔سال 2024 میں معاشی اور سیاسی استحکام کو یقینی بنانا چاہیے۔ تعلیم کے فروغ کے ساتھ ساتھ بے روزگاری کے خاتمے اور عوامی مسائل کا بہتر حل تلاش کرنا چاہیے..
بطور قوم ہماری اخلاقیات کی بہتری کے لیے میڈیا کو مثبت کردار ادا کرنا چاہیے.. تا کہ رواداری, برداشت اور مساوات کو فروغ مل سکے..

عمران علی مدحر

لمحے سیکنڈز گھنٹے دن ہفتے مہینے سال اور پھر صدیاں سب گزر جانے کی باتیں ہیں جو گزر گیا وہ مشکل تھا یا آسان بہت خوبصورت لگتا ہے جو آنے والا کل ہے وہ جانے کیسا ہوگا یہ انتظار کی کیفیت ہے جو انسان کو آج ادھورا کر دیتی ہے کچھ اچھا کچھ برا دونوں مل کر ایک پیسٹ بناتے ہیں جسے ہم زندگی کا نام دے دیتے ہیں اور اس پیسٹ کو وقتاً فوقتاً استعمال کرتے رہتے ہیں کبھی سکھا کر آس کے پانی کے ساتھ پھکا مار لیا کبھی رگڑ کر کسی زخم پر مرہم لگا لیا اس سب میں مکمل صحتیابی ایک حسرت ہی ہے اس لیے کسی بھی سال یا صدی کے بارے میں حتمی اور قطعی فیصلہ نہیں کیا جا سکتا بس چند ایک اچھی اور بری اچھی تقابل اور موازنے کے طور پر پیش کرتا ہوں

2023 میری ذات کے لیے میرے رزق میں اضافے کا سبب بنا
2023 نے مجھے سوشل کیا
2023 نے مجھے اپنے آپ سے روشناس کیا
2023 نے میرے جذبات سے جنگ کی
2023 نے مجھ سے میرا استاد چھینا
2023 نے مجھے دوستوں کے اصلی چہرے دکھائے جو میں جانتے بوجھتے ہوئے بھی نظر انداز کرنا چاہتا تھا

علاقے کے لیے
میرا شہر تعلیم سے لے کر تعمیر تک ہر صف میں اپنی پہچان آپ ہے عام شہر سالوں میں ترقی کرتے ہیں میرا شہر دنوں میں ترقی کرتا ہے لیکن 2023 میں ہزارہا کوشش کے باوجود بورے والا ضلع نہ بن سکا
بورے والا وہ واحد شہر ہے جس کا تعلیم یافتہ انسان پوری دنیا میں پایا جاتا ہے افسوس اتنے ایڈوانس لوگوں کی موجودگی بھی 2023 جیسے دورِ جدید میں بھی اپنے شہر کے لیے کچھ نہ کر سکے
بورے والا ٹیکسٹائل مل ہزاروں بے روزگار مزدوروں کے لیے ذریعہِ رزق تھی ایک عرصے سے بند ہے افسوس 2023 بھی کچھ نہ کر سکا
ملک کے بارے میں کیا کہوں جب ملکی سطح پر سوچتا ہوں تو اوپر کی گئی تحصیل لیول کی باتیں مجھ پر ہنستی ہیں کہ ماشاء اللہ پاکستان کو ایٹمی طاقت ہوتے ہوئے کباڑ خانہ بنانے کا بہت شکریہ اس شرمندگی میں سب برا ہی ہے اچھا کیا کہوں۔

رانا سلطان محمود

1: یہ سال میرے لیے خوشی کا باعث یوں تھا کہ اکلوتے بیٹے کی شادی کی۔یوں اس ذمہ داری سے سبکدوش ہوا۔شہر کی صورتحال اچھی رہی۔ تعلیمی، سماجی اور تجارتی سرگرمیاں عروج پر رہیں۔البتہ مہنگائی نے جینا مشکل بنا دیا۔ 2:2024ء میں معاشی اور سیاسی استحکام کیلیے صاف وشفاف الیکشن ضروری ہیں۔آنے والی حکومت کو بیروزگاری کے خاتمے کیلیے اقدامات کرنے چاہییں۔اس کیلیے تجارتی سرگرمیوں کو مزید فروغ دیا جائے۔ایک اہم کام یہ کہ حکومت کو عملی طور پر عوام کو احساس دلانا چاہیے کہ وہ ان کے ساتھ ہے۔اس کیلیے حکومتی اخراجات کو کم کرنا چاہیے۔ مجھے یہاں قدیم چین کے فلسفی کنفیوشس کی کہی بات یاد آ رہی ہے۔اس سے ایک والئی ریاست نے دریافت کیا۔"یہ بتائیں اچھی حکومت کی کیا نشانی ہوتی ہے؟"۔کنفیوشس نے جواب دیا۔"اخراجات حکومت کی کمی"۔ ۞

عالمی بینک نے واضح کر دیا

ملک میں اس وقت 38سال سے حکومت کرنے والوں سے امید کی جارہی ہے کہ وہ اکیسویں صدی کے چیلنجوں کا مقابلہ کریں گے۔ عالمی بینک نے زور دیا ہے کہ ماضی کی ناکام پالیسیوں کے اعادے کی بجائے نئے حالات نئے تقاضوں کے مطابق طویل مدتی پالیسیاں تشکیل دیں۔ دفتری ڈھانچے میں دور رس اصلاحات کی جائیں۔ ان تجاویز کی اہمیت کے پیش نظر ہم انہیں اُردو میں منتقل کررہے ہیں۔ تشویشناک امر یہ ہے کہ اس وقت کسی سیاسی پارٹی کی طرف سے مستقبل کے اقدامات نہیں بتائے جارہے۔ ماضی کی پالیسیوں پر فخر کیا جارہا ہے۔

ماضی کی ناکام پالیسیاں نہیں روشن مستقبل کے لیے نئی پالیسیاں

☆اطراف رپورٹ

عالمی بینک نے پاکستان پر زور دیا ہے کہ وہ نئے سول ملٹری اشتراک کے ذریعے قلیل مدتی اقدامات جیسے گھریلو قرضوں کی تنظیم نو اور مختصر مدتی سرمایہ کاری کرنے کے بجائے بڑے اقتصادی مسائل پر زور دے کیونکہ ٹیکس نظام کو موثر بنا کر انسانی سرمایہ کی ترقی کے ذریعہ بڑے کاروباری ماحول کو بہتر بنانے کی ضرورت ہے۔ جنوبی ایشیا کے لیے عالمی بنک کے علاقائی نائب صدر مارٹن رائزر نے ایک نیوز کانفرنس میں کہا کہ ٹیکس کے نظام، مسابقتی مارکیٹ کے حالات اور سرکاری اداروں کو بہتر بنائے بغیر سرمایہ کاری لانے کے لیے نئے ادارے کا قیام مسائل کا حل نہیں۔

انہوں نے کہا کہ اسپیشل انویسٹمنٹ فیسیلی ٹیشن کونسل (SIFC) کی تشکیل سے حکومت کا مقصد اچھا ہوسکتا ہے اور اس طرح کے اقدامات سے ایک یا دو مرتبہ مدد مل سکتی ہے، لیکن یہ پاکستان کو درپیش چیلنجوں کا کوئی پائیدار حل نہیں۔ ان چیلنجوں کا مقابلہ نئی سرمایہ کاری کے لیے مناسب ماحول پیدا کرکے، اقتصادی بگاڑ دور کرکے، ٹیکس اصلاحات کرکے اور کاروباری ماحول کو بہتر بنا کر کیا جا سکتا ہے۔ انہوں نے یاد دلایا کہ اس سے قبل، بین الاقوامی مالیاتی فنڈ (آئی ایم ایف) نے بھی حکومت کو ترجیحی سرمایہ کاروں کا گروپ بنانے کی تجویز کی مخالفت کی تھی اور کہا تھا کہ SIFC کی زیر قیادت سرمایہ کاری میں شفافیت اور

قلیل نہیں طویل مدت کے لیے پالیسیاں بناؤ

احتساب کو اولیت دی جانی چاہیے۔

ایک سوال کے جواب میں، مسٹر رائزر نے کہا کہ بین الاقوامی تجربہ یہ بتاتا ہے کہ گھریلو قرضوں کی دوبارہ پروفائلنگ ہمیشہ کام نہیں کرتی جب تک قرضوں کے بوجھ کو کم کرنے کے لیے آئی ایم ایف کی طرف سے حمایت یافتہ تیز اور پائیدار ساختی اصلاحات پر ساتھ ساتھ عمل نہ کیا جائے۔ انہوں نے کہا کہ جب اس طرح کی تنظیم نو کی جاتی ہے، تو بنک دیوالیہ ہوسکتے ہیں، جس سے اقتصادی ترقی متاثر ہوگی۔ ان اصلاحات کو میکرو اکنامک بہتری کا حصہ ہونا چاہیے تاکہ شرح سود کو کم کیا جاسکے اس لیے اس طرح کے اقدام پر "مزید غور وخوض" ضروری ہے۔

پاکستان کے لیے عالمی بینک کے کنٹری ڈائریکٹر ناجی بن ہاسین نے

ایک سوال کے جواب میں کہا کہ انہیں امید ہے کہ ان کا ادارہ رواں مالی سال کے دوران ملک کو 2 ارب ڈالر تک کی رقم فراہم کر سکتا ہے، بشرطیکہ انتخابات وقت پر ہوں اور موجودہ اور نئی حکومتیں اصلاحات کے لیے پرعزم رہیں اور وعدے کے مطابق کوششیں کریں۔ اس کے لیے پاکستانی حکام اور عالمی بینک کی طرف سے "بہت زیادہ مشترکہ کوششوں کی ضرورت ہے۔ انہوں نے کہا کہ دوسری سہ ماہی کے آخر تک صورت حال واضح ہوجائے گی۔ انہوں نے امید ظاہر کی کہ ورلڈ بینک کا بورڈ آف ڈائریکٹرز دسمبر کے آخر تک 35 کروڑ ڈالر کے RISE پروگرام کے قرض کی منظوری دے گا۔

مسٹر رائزر نے کہا کہ ماضی کی ناکامیوں کے برعکس، ورلڈ بینک نے اس بار تمام بڑی سیاسی جماعتوں بشمول پی ٹی آئی، مسلم لیگ ن، پی پی پی اور ایم کیو ایم پاکستان کے ساتھ بات چیت کی ہے۔ اس سے پہلے کہ اگلی منتخب حکومت کے لیے اصلاحاتی نوٹ تیار کیا جائے، انفرادی طور پر بھی پارٹیاں ملک کو درپیش چیلنجز اور ان کے حل کے بارے میں ایک جیسی سمجھ کا مظاہرہ کریں۔

انہوں نے کہا کہ جب تک ان چیلنجوں کا مقابلہ پیشگی اصلاحات کے ذریعے نہ کیا جائے اس پروگرام کے قرضوں کی واپسی پر منفی اثرات پڑتے رہیں گے۔ انہوں نے کہا کہ زراعت اور ریئل اسٹیٹ پر کم ٹیکس کی وجہ سے زراعت کی پیداواری صلاحیت میں کمی ہورہی ہے۔ اس سے آبپاشی، معیاری بیج کی فراہمی اور دیگر اشیاء میں سرمایہ کاری میں رکاوٹ پیدا ہوتی ہے۔ مسٹر رائزر نے پالیسی یادداشتوں کا ایک نیا سلسلہ شروع کرنے کا اعلان کیا۔ ان یادداشتوں میں پیداواریت اور اس کے علاوہ پائیدار، لچکدار اور صحت مند پاکستان کے لیے ضروری پالیسی تبدیلیوں کا خاکہ پیش کیا جائے گا۔ ان یادداشتوں میں بچوں کی بہتر نشوونما، مالیاتی پائیداری، نجی شعبے کی ترقی، توانائی، بڑھتی ہوئی غربت، زراعت، اور موسمیاتی تبدیلی پر توجہ دلائی جائے گی تاکہ اصلاحات کے ذریعہ پاکستان کے بہتر مستقبل کے لیے اقدامات کیے جاسکیں اور انتخابات کے نتیجے میں سیاسی اور سماجی حمایت نتیجہ خیز ثابت ہوسکے۔ انہوں نے کہا کہ "پاکستان کی معیشت خراب انسانی ترقی اور بڑھتی ہوئی غربت کے ساتھ کم ترقی کے جال میں پھنسی ہوئی ہے۔ مسٹر رائزر نے کہا کہ معاشی ترقی اور موسمیاتی موافقت کے لیے ناکافی مالی اعانت، اور عوامی وسائل کی کمی پاکستان کو موسمیاتی جھٹکوں کا مقابلہ کرنے کے لیے خطرناک حالات سے دوچار کرتی ہے۔ انہوں نے کہا کہ اب وقت آگیا ہے کہ پاکستان فیصلہ کرے کہ ماضی کی ناکامیوں کو جاری رکھنا ہے یا روشن مستقبل کی جانب بڑھنے کے لیے مشکل لیکن اہم اقدامات کرنا ہے۔ انہوں نے اپنے پالیسی نوٹ میں کہا کہ پاکستان اپنے انسانی سرمائے کے شدید بحران سے نمٹنے کے لیے موثر اقدامات کرے اور ماضی کی ناکامیوں سے سبق حاصل کرتے ہوئے غربت کے زیادہ پھیلاؤ کا مقابلہ کرے۔ اس کے علاوہ بنیادی خدمات کے لیے ایک مربوط اور'' کراس سیکٹرل اپروچ'' اپناتے ہوئے کام کیا جائے جس میں صوبائی اور وفاقی حکومتوں کو شامل ہونا چاہیے۔

مسٹر رائزر نے "انسانی سرمائے کے بحران" سے نمٹنے کے اقدامات شروع کرنے پر زور دیا اور پانچ شعبوں میں بڑی پالیسی تبدیلیوں کی وکالت کی۔ انسانی سرمائے کے اس بحران سے آبادی کا بڑا حصہ متاثر ہے اور مستقبل کی پاکستانی اہلیت کارکمزور ہورہی ہے۔ مثال کے طور پر، پانچ سال سے کم عمر کے 40 فیصد بچوں کی نشوونمار کی ہوئی ہے۔ یہ چونکا دینے

ٹیکس کا نظام موثر نہ کہ سرمایہ کاری کے لیے نئے ادارے

والے اعداد وشمار ہیں۔ کیونکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ پاکستان کی آبادی کا ایک بڑا حصہ صاف پانی کی فراہمی اور صفائی ستھرائی تک رسائی کی کمی، پیدائش کے وقفہ کی کمی، ناقص غذائیت، اور صحت کی خدمات تک ناکافی رسائی کی وجہ سے اپنی جسمانی اور علمی صلاحیتوں تک نہیں پہنچ پارہا ہے۔

انہوں نے کہا کہ عالمی بینک کی جانب سے تجویز کردہ اخراجات اور محصولات میں توسیع سے جی ڈی پی کے 7 فیصد سے 9 فیصد تک اضافی وسائل پیدا ہوسکتے ہیں جو انسانی سرمائے کو بہتر بنانے اور 5 فیصد سے 6 فیصد تک پائیدار اقتصادی ترقی کو یقینی بنا سکتے ہیں اور بڑے چیلنجوں سے نمٹنے کے لیے کافی ہوسکتے ہیں۔ یہ سب ڈھانچہ جاتی اصلاحات اور مالیاتی ایڈجسٹمنٹ کے ساتھ ممکن ہوسکے گا۔ (بشکریہ ڈان، 29 نومبر 2023)۞

جولائی 2014سے باقاعدگی سے ذہن شعور روشن کرنے والے

ماہنامہ

اطراف

کراچی

کا فروری کا شمارہ

"بایاں بازو نمبر"

- ☆ عالمی سطح پر بائیں بازو کا اکیسویں صدی میں کوئی اثر ونفوذ
- ☆ کیا اکیسویں صدی میں پاکستان میں بائیں بازو کا کوئی کردار ہے۔؟
- ☆ 76 سال میں بائیں بازو کی جماعتوں اور افراد کا کردار منفی یا مثبت۔؟
- ☆ بائیں بازو نے زیر زمین رہ کر زیادہ خدمت کی یا مختلف سیاسی پارٹیوں میں شامل ہو کر۔؟
- ☆ ٹریڈ یونین تحریک بائیں بازو کے آپس میں اختلافات سے ناکام ہوئی۔؟
- ☆ بائیں بازو کے فعال نہ ہونے سے پاکستانی تہذیب وتمدن پر اثرات۔
- ☆ بائیں بازو کے رہنما کارکن اور فوجی حکومتیں۔
- ☆ بائیں بازو کے رہنما کارکن اور سیاسی حکومتیں۔
- ☆ بائیں بازو کی جدوجہد پر کتابوں کی فہرست۔
- ☆ بائیں بازو کے موجودہ ممتاز رہنماؤں سے گفتگو۔
- ☆ بائیں بازو کی تاحال سرگرم تنظیمیں۔
- ☆ موجودہ قومی سیاسی جماعتوں میں بائیں بازو کے رہنما۔
- ☆ پنجاب۔ جنوبی پنجاب۔سندھ۔کے پی کے۔بلوچستان۔آزاد جموں وکشمیر۔گلگت بلتستان میں بائیں بازو۔
- ☆ بھارت میں بائیں بازو کا اثر ورسوخ۔

آپ بھی اس نمبر کے لیے اپنی تحریر۔یادیں۔بھیج سکتے ہیں۔اپنی رائے دے سکتے ہیں۔

مزید تفصیلات کے لیے

Ph:0300-8210636
Email: MAHMOODSHAAM@GMAIL.COM
اے 262،بلاک 3،گلشن اقبال،کراچی۔

نیا سال مبارک

اگر میں وزیر تعلیم ہوتا

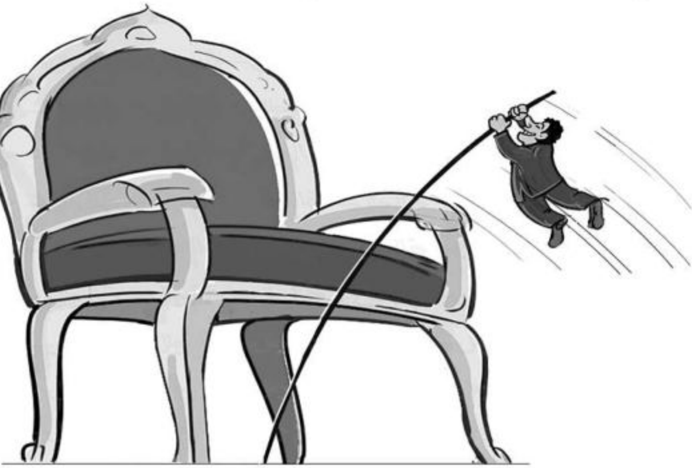

جہاں آراء ، ماہنامہ 'اطراف' کی قلمی معاون ہیں۔ جواں سال ہیں۔ جوان عزم قلمکار۔ نئے نئے موضوعات کی تلاش میں رہتی ہیں۔ وزارت تعلیم کی ناکامی اور خراب کارکردگی کی نشاندہی معصوم طالب علموں کے ذریعے کروارہی ہیں۔ اپنے اسکول کے طلبا کو انہوں نے یہ موضوع دیا۔ 'اگر میں وزیر تعلیم ہوتا'۔ ہماری نئی نسل کے بلند خیالات۔ سیاسی اور سماجی شعور ملاحظہ کریں۔ ہمیں تو فخر ہے کہ ہمارے بعد اندھیرا نہیں اُجالا ہے۔

تعلیم اتنی عام کرتا۔ کوئی بھی باہر پڑھنے نہیں جاتا۔ محمد ایان

تحریر: جہاں آراء

بحیثیت معلمہ میرا ہمیشہ یہ شیوہ رہا ہے کہ میں طالبعلموں کی تعلیم وتربیت کے ساتھ ان کی رائے کو بھی مقدم رکھوں۔ اس کے لئے اکثر نصاب کے علاوہ کسی نہ کسی موضوع پر یا تو میرا ان سے مکالمہ رہتا ہے یا پھر انہیں کچھ نہ کچھ تحریر کرنے پر آمادہ کرتی ہوں تا کہ وہ جو سیکھ رہے ہیں اسے بیان کرنے کا فن بھی سیکھ سکیں۔ آج کی یہ تحریر اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔ کچھ دن پہلے ایک کوچنگ سینٹر میں کمرہ جماعت میں داخل ہوتے ہی میں نے جماعت نہم کے تمام طالبعلموں کو ایک پیپر اور پین نکالنے کے لئے کہا اور پھر بورڈ پر ایک موضوع ''اگر میں وزیر تعلیم ہوتا تو'' تحریر کردیا کہ اس موضوع پر جو کچھ بھی آپ کے ذہن میں ہے لکھیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ بچے بہت ذہین ہوتے ہیں۔ لہذا سب نے اپنی اپنی سوچ کے مطابق کچھ نہ کچھ لکھنا شروع کردیا۔ قارئین کو یہ بھی بتاتی چلوں کہ مذکورہ موضوع کبھی کبھار میٹرک بورڈ کے اردو کے پرچہ میں طالبعلموں کو لکھنے کے لئے دیا جاتا ہے۔ لیکن اس وقت بچے جو مضمون لکھتے ہیں وہ انہوں نے کسی نا کسی نوٹس یا اساتذہ کی مدد سے یاد کیا ہوتا ہے۔ لیکن چونکہ جماعت نہم کے طالبعلموں نے ابھی تک بورڈ کا امتحان دیا ہی نہیں اور نا ہی اس موضوع پر انہوں نے کوئی مضمون یاد کیا ہوا تھا اور نا ہی انہیں یاد کرنے کے لئے کوئی وقت دیا گیا تھا اس لئے اس ضمن میں بچوں نے جو کچھ بھی لکھا وہ خالصتاً ان کی اپنی ذاتی رائے ہے۔ البتہ طالبعلموں کی اردو اور املا چونکہ کچھ کمزور ہے اسی لئے ان کی تحریروں میں، میں نے صرف اور صرف املا اور قواعد کی اغلاط کو درست کر کے لکھنے کی کوشش کی۔ باقی الفاظ و خیالات طالبعلموں کے اپنے ذاتی ہیں۔

محمد ایان

اگر میں وزیر تعلیم ہوتا تو ملک میں کسی بھی غریب فرد کو سڑک پر بیٹھنے نہیں دیتا۔ میں تعلیم کو اس طرح عام کرتا کہ جس طرح کوئی شاعر اپنی شاعری کے زریعے اپنا پیغام عام کرتا ہے۔ تعلیم عام کرنے کی چیز ہے۔ اور علم کے زریعے ہی انسان کسی بھی چیز کی حقیقت کو جاننے کی کوشش کرتا ہے۔ میرے ہاتھ میں اگر نظام تعلیم ہوتا تو وہ یہ ملک اپنی سلامتی کے لئے کسی کے سامنے نہ جھکتا۔ میں تعلیم کو اس طرح عام کرتا کہ کسی بھی شخص کو تعلیم کے لئے باہر نہ جانا پڑتا۔ میں اپنے پیارے ملک میں ہی ایسے اسکول، کالج اور یونیورسٹیاں بنواتا کہ لوگ یہیں سے تعلیم حاصل کر کے اپنے ملک کی خدمت کریں ملک سے باہر نا جائیں۔ بلکہ باہر سے لوگ یہاں آ کر علم حاصل کریں۔ افسوس کی بات ہے کہ آج کے دور میں دوسرے وزیروں کی طرح وزیر تعلیم بھی بس اپنی جیبیں بھرنے میں لگے رہتے ہیں۔ وزیر تعلیم کا کام تو اپنے ملک کے بچوں کا مستقبل بنانا ہوتا ہے۔ اگر میں وزیر تعلیم ہوتا تو ملک کے بچوں کا مستقبل میرے ہاتھ میں ہوتا اور میں ان کا مستقبل بنا ڈالتا۔ میں تعلیم کو سستی اور آسان کرتا۔ اور ملک میں اپنی قومی زبانوں میں تعلیم فراہم کرتا۔ ہمیں ادویات اور اپنی ضرورت کی اہم چیزیں بھی باہر سے منگوانی پڑتی ہیں۔ میں اپنے ملک کو اتنی ترقی دیتا کہ دوسرے لوگ ہم سے یہ چیزیں منگوائیں اور

میں سرکاری اسکولوں میں ساری ضروریات فراہم کرتا۔

دائم حیدر

دائم حیدر

محمد حسن

سالار حنین

محمد ایان

ہمارے ملک کا نام روشن ہو۔

دائم حیدر

تعلیم انسان کی پہچان کرواتی ہے اور تعلیم یافتہ لوگوں کی معاشرے میں عزت ہوتی ہے۔ علم حاصل کرنے کے لئے ہمیں پیسے دینے پڑتے ہیں لیکن آج کے دور میں پیسے دے کر بھی اچھی تعلیم حاصل نہیں کی جا رہی۔ جس کی وجہ سے والدین بھی پریشان ہیں کیونکہ ماں باپ بڑی محنت سے پیسے کماتے ہیں۔ اکثر سرکاری اسکولوں کا حال تو اتنا برا ہے کہ وہاں بیٹھنے کے لئے نا ہی تو ڈیسک ہیں اور نا ہی ہوا کے لئے پنکھے۔ دیواریں بھی ٹوٹی پھوٹی ہوتی ہیں۔ سرکاری اسکولوں میں تعلیم بھی نا ہونے کے برابر ہے۔ دوسرے ملکوں میں تعلیم کا نظام اتنا اچھا ہے کہ سرکاری اسکول بھی پرائیویٹ لگتے ہیں۔ ہمیں اپنا تعلیمی نظام بہتر بنانے کی ضرورت ہے۔ اگر میں وزیر تعلیم ہوتا تو سرکاری اسکولوں میں ساری ضروریات فراہم کرتا اور سرکاری اسکولوں میں ایسے استاد رکھتا جو بچوں کو دل سے پڑھائیں۔ سرکاری اداروں سے رشوت ختم کرتا، کتب خانے بنواتا تا کہ بچے وہاں جا کے کتابیں پڑھ سکیں۔

امتحانات میں سخت نگرانی کرواتا۔ مائر حسن

محمد مہد

وزیر اعظم اور وزیر تعلیم کے کام بالکل مختلف ہوتے ہیں۔ وزیر اعظم پورا ملک چلاتا ہے جبکہ وزیر تعلیم ملک کا تعلیمی نظام چلاتا ہے۔ اگر میں وزیر تعلیم ہوتا کیا کرتا یہ بڑی سوچنے کی بات ہے۔ کیونکہ اس سلسلے میں الگ الگ نظریے ملتے ہیں، میں اپنا نظریہ پیش کروں گا۔ پہلے یہ جاننا ضروری ہے کہ ایک اچھے وزیر تعلیم کی ذمہ داریاں کیا کیا ہوتی ہیں۔ مثلاً یہ جاننا کہ ہمارے تعلیمی نظام میں کون کون سی خرابیاں موجود ہیں جن کا مزید بگڑنا نقصان دہ ثابت ہوسکتا ہے اس لئے ان کا صحیح ہونا لازمی ہے۔ اس لئے سب سے پہلے تو مختلف اسکولوں میں جا کر طالبعلموں کا جائزہ لیتا کہ طالب علموں کو صحیح معنوں میں علم سے محبت ہے یا نہیں۔ کیونکہ طالبعلم کا مطلب ہی یہ ہے کہ جسے علم کی طلب ہو۔ پھر وہاں کے استادوں کا جائزہ لیتا کہ وہ کس طرح سے طالبعلموں کو علم حاصل کرنے کی نصیحت کرتے ہیں اور انہیں تعلیم کی طرف آمادہ کرتے

طالب علموں اور استادوں کا خود جائزہ لیتا۔ محمد مہد

ہیں۔ ان کی کیا خاصیت ہے؟ ان کے پڑھانے کا انداز کیسا ہے؟ کیونکہ استاد بچوں کی بنیاد بناتے ہیں۔ اس کے بعد اگر طالبعلم خود سے اعلیٰ تعلیم کے لئے کوششیں کریں تو اس کامیابی کے ذمہ دار استاد ہی ہوتے ہیں۔ پہلے کے دور میں شمس العلماء کا خطاب ہوتا تھا۔ لیکن آج کے دور میں طالبعلموں میں وہ بات ہی نہیں جو وہ ایسے خطاب لے سکیں۔ اس میں استاد اور طالبعلم دونوں کا قصور ہے۔ کیونکہ نا تو بچوں میں پڑھائی کا شوق ہے اور نا ہی استاد میں پڑھانے کا۔ اگر مجھے موقع ملے تو میں تعلیمی نظام کو بہتر کرنے کی کوشش کروں گا۔ بچوں سے سوچنے کا انداز معلوم کر کے اسی حساب سے انہیں تعلیم دوں گا۔ اسلامی تعلیم کو بھی فروغ دوں گا۔ کتب خانوں کی اہمیت کو بڑھاوں گا۔ طالبعلموں میں یہ شوق پیدا کروں گا کہ کتب خانوں میں جائیں اور وہاں کتابیں پڑھیں۔

مائر حسن

وزیر تعلیم ریاست کا وہ شخص ہوتا ہے جو بچوں کی تعلیم کا ذمہ اٹھاتا ہے۔ ہمارے ملک میں وزیر تعلیم پانچ سال کے لئے مقرر ہوتا ہے۔ اگر میں وزیر تعلیم ہوتا ہر علاقے میں بڑے بڑے اتنے اچھے سرکاری اسکول بنواتا کہ لوگ پرائیویٹ اسکول چھوڑ کر اپنے بچوں کو سرکاری میں داخل کرواتے۔ تا کہ غریب سے غریب گھر کا بچہ بھی پڑھ سکے۔ اور پاکستان کے تمام شہروں کے بچے برابر تعلیم حاصل کر سکیں۔ جن کے پاس ایک روپیہ بھی نہ ہو وہ بھی مفت پڑھ سکیں اور علم کے چراغ سے روشناس ہو سکیں۔ اسکول میں بچوں کو ٹھیک سے سمجھا کر پڑھایا جائے تا کہ وہ صرف رٹے نا لگائیں بلکہ سمجھ کر پڑھیں۔ میں امتحانات میں بھی سخت نگرانی کرواتا تا کہ جس نے جتنا سمجھا ہے وہ اتنا ہی لکھے۔ پڑھائی میں کمزور بچوں پر زیادہ توجہ دلواتا۔ ہماری آنے والی نسلوں میں شعور پیدا ہو۔ وہ اچھی سائنسدان بنیں، کمپیوٹر سیکھیں اور پاکستانی قوم دنیا میں پڑھی لکھی قوم مانی جائے۔ یہ پاکستان کے لئے بہت ضروری ہے تا کہ ہمارے ملک میں پڑھ لکھ کر خود ہر چیز بنائی جائے ہمیں باہر سے کچھ نا منگوانا پڑے۔

سالار حنین

تعلیم وہ دولت جسے ہر شخص حاصل کر سکتا ہے۔ تعلیم انسان کے مستقبل کے لئے بہت ضروری ہے۔ تعلیم یافتہ شخص اندرونی طور پر بھی پرسکون رہتا ہے کیونکہ اسے پتا ہوتا ہے کہ وہ کیا کر سکتا ہے اور کیا نہیں۔ اچھی تعلیم کے اعتبار سے انسان کو اچھی نوکری بھی مل سکتی ہے۔ حدیث مبارک میں ہے کہ علم حاصل کرنا ہر مسلمان مرد و عورت پر فرض ہے۔ پاکستان میں تعلیم کے کئی مسائل ہیں۔ خاص طور پر گورنمنٹ اسکولوں میں اچھی تعلیم نہیں دی جاتی۔ زیادہ تر اساتذہ غیر حاضر ہوتے ہیں۔ بچوں کے بیٹھنے کی جگہ بھی ٹھیک نہیں ہوتی۔ ہمارے ملک کے وزیر تعلیم بھی اس معاملے کو اتنا سنجیدگی سے نہیں لیتے ہیں۔ اور نا ہی ان مسئلوں پر کوئی خاص توجہ دیتے

کالجوں سے مہنگی فیس اور رشوت ختم کرواتا۔ سالار حنین

ہیں۔ میرا خواب ہے کہ میں اس ملک کی تعلیم اور ترقی میں اپنا کردار ادا کروں۔ اگر میں وزیر تعلیم ہوتا تو زیادہ سے زیادہ کتب خانے بنواتا۔ اور گورنمنٹ اسکولوں کے سارے مسائل حل کر کے وہاں قابل اساتذہ کو لاتا۔ سندھ بورڈ میں جو نقل کے اور دوسرے مسائل ہیں انہیں ختم کرتا مثلاً طلبہ کا امتحان میں نقل کرنا اور اساتذہ کا ٹھیک سے کاپیاں چیک نا کرنا وغیرہ۔ پاکستان میں 37 فیصد لوگ ہی تعلیم یافتہ ہیں۔ جبکہ 77 فیصد لوگ تعلیم یافتہ نہیں ہیں۔ جبکہ چند فاصلے پر دور بھارت میں 70 فیصد لوگ تعلیم یافتہ ہیں۔ جس کی وجہ کالجوں میں رشوت سے داخلے اور مہنگی فیسیں بھی ہیں۔ اس کا نقصان یہ ہے کہ تعلیم ایک غریب شخص سے دور ہو چکی ہے۔ اس لئے میں اچھے گورنمنٹ اسکول لازمی بنواتا۔ تا کہ

اگر میں وزیرِ تعلیم ہوتا

پاکستان کے ۱۰۰ فیصد لوگ تعلیم یافتہ ہوں ہمارا بچہ بچہ پڑھے، ہمارے ملک کا نام روشن کریاور ہمارا ملک ترقی کرے۔

سبق پھر پڑھ صداقت کا، عدالت کا، شجاعت کا
لیا جائے گا تجھ سے کام دنیا کی امامت کا

عبدالرحمٰن

علم ایک بڑی دولت ہے اور دولت سے ہر انسان بے پناہ محبت کرتا ہے۔ لیکن علم کی دولت پانے کے لئے بھی ہمیں اپنی دولت یعنی روپیہ پیسہ خرچ کرنا پڑتا ہے۔ لیکن پھر بھی معلوم پڑتا ہے کہ ہم نے علم کے لئے ایسے راستے کا چناو کیا ہے جہاں تعلیم دور دور تک نہیں ملتی۔ تعلیم شعور اور تربیت کا نام ہے۔ ہمارا ملک تعلیم سے اتنا دور ہے جیسے کسی اونچے پہاڑ سے نیچے کھڑے انسان کو دیکھا جائے۔ ویسے تو تعلیم کے بہت سے وسائل ملک میں موجود ہیں لیکن پھر بھی ہمارے ملک میں تعلیم عام نہیں ہے۔ ایک وقت تھا کہ جب مسلمان دنیا کی سب سے پڑھی لکھی قوم تھے۔ لیکن جب مسلمانوں کا زوال شروع ہوا تو وہ اپنے علمی خزانے سے بھی دور ہو گئے۔ اگر دوسرے ملکوں کی تعلیم کا جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ ملک کے ہر کونے میں ایک ہی تعلیمی نظام ہے۔ جس کی وجہ سے ہر بچہ ایک جیسی تعلیم حاصل کرتا ہے۔ نوکری سب کے لئے ہوتی ہے۔ مگر ہمارے ملک میں ہر صوبے میں تعلیم کا نظام الگ ہے۔ جس کی وجہ سے ہم اچھی تعلیم سے دور ہیں۔ اگر میں کسی دور میں وزیر تعلیم بنایا جاوں گا تو میں پورے ملک میں ایک جیسا تعلیمی نظام بناوں گا۔ کتابوں کو بہتر بناوں گا ان میں ایسے موضوعات کا چناو کروں گا جو تعلیمی نظام کو بہتر کرنے کا باعث بنیں اور بچوں میں پڑھنے کی لگن پیدا ہو۔ اس لئے ہمارے سرکاری اسکولوں کو بہتر بنانے کی سخت ضرورت ہے۔

حمدان احمد صدیقی

ہم نے بزرگوں سے سنا ہے کہ علم ایک بڑی دولت ہے اور جس کے پاس علم ہوتا ہے وہ کبھی بھوکا نہیں سوتا۔ ہم جس عمر میں بھی ہوں ہمیں علم حاصل کرنا چاہئے۔ کیونکہ علم حاصل کرنے سے ہمارا دماغ چاق

> اسکول ٹائم کم کروں گا سرگرمیاں کرواؤں گا۔ **حمدان احمد صدیقی**

و چوبند رہتا ہے اور ہماری زندگی بھی اچھی گزرتی ہے۔ تعلیم سے ہمارے اندر شعور پیدا ہوتا ہے یعنی ہم یہ جان لیتے ہیں کہ ہمیں اپنی زندگی کیسے گزارنی ہے، لوگوں سے بات کیسے کرنی چاہئے اس کے علاوہ اٹھنے بیٹھنے کا ڈھنگ بھی ہم علم سے سیکھتے ہیں۔ ہمارا مذہب بھی علم کی اہمیت پر بہت زور دیتا ہے۔ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد پاک ہے کہ، علم حاصل کرنا ہر مسلمان مرد اور عورت پر فرض ہے۔ ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث پر عمل کر کے دنیا اور آخرت دونوں میں کامیاب ہو سکتے ہیں۔

> پرائیویٹ اسکولوں میں چھوٹے بچوں کے کورس آسان کروانا۔ **محمد حسن**

وزیر تعلیم پڑھائی کے پورے نظام کو چلاتا ہے۔ اس کے ذمے سارے بچوں کا مستقبل ہوتا ہے۔ اس لئے اگر وہ اچھے قوانین بنا لے تو سارے بچوں کا بھلا ہو سکتا ہے۔ اور جس شخص کو یہ ذمہ داری ملتی ہے اسے چاہئے کہ ایمانداری سے اپنا فرض ادا کرے۔ اگر مجھے یہ عہدہ ملے تو میں کبھی بھی اس سے انکار نہیں کروں گا۔ اور وزیر تعلیم بننے کے بعد سب سے پہلے گورنمنٹ اسکولوں کا نظام اچھا کروں گا اور وہاں اچھی تعلیم فراہم کروں گا۔ اچھے سے اچھے اساتذہ رکھوں گا۔ اور سب سے بڑھ کر اسکول کا ٹائم جو اتنا زیادہ ہے اسے کم کر کے ساڑھے بارہ بجے تک کر دوں گا۔ اس کے علاوہ یہ قانون بناؤں گا کہ سارے اسکولوں میں (چاہے وہ گورنمنٹ ہو یا پرائیویٹ) ہفتے میں ایک دن بچوں کو کھیل کود اور ورزش کا دیا جائے اور ہر مضمون کے حوالے سے کوئی سرگرمی کروائی جائے۔ اور میری کوشش یہ ہوگی کہ کسی بھی بچے کو زبردستی نا پڑھایا جائے۔ بلکہ اس طرح پڑھایا جائے کہ ہر بچہ اپنی خوشی سے علم حاصل کرے۔ میری کوشش ہوگی کہ بچوں کو جدید سے جدید طریقے سے تعلیم دی جائے۔ اگر ہم اپنی ذمے داری اچھے طریقے سے پوری کرینگے تو مستقبل میں یہ بچے ہی نئی نئی ایجادات کر کے ہمارے ملک کا نام روشن کریں گے۔ اور ہمارا ملک پاکستان ترقی کرے گا۔

محمد حسن

تعلیم سب بڑی دولت ہوتی ہے۔ علم کی بنیاد اسکول سے بنتی ہے۔ یہ سچ ہے کہ جو قوم تعلیم یافتہ نہیں ہوتی وہ کبھی ترقی نہیں کر سکتی۔ تعلیم ہی سے انسان میں شعور پیدا ہوتا ہے۔ لیکن اس وقت ہمارے ملک میں تعلیم کا برا حال ہے خاص طور پر سندھ بورڈ کی تعلیم کا بہت برا حال ہے۔ دوسرے ملکوں میں تعلیم کا معیار بہت بہتر ہے۔ وہاں کے لوگ ہم سے زیادہ تعلیم یافتہ دکھائی دیتے ہیں۔ جس کی وجہ یہ ہے کہ ان کے وزیر تعلیم ایماندار ہوتے ہیں۔ اگر میں وزیر تعلیم ہوتا تو سب سے پہلے سرکاری اسکولوں کی تعلیم پر توجہ دیتا۔ اور کورس کے معیار کو بہتر کرتا۔ اسکولوں میں بہترین استاد رکھتا۔ اسکولوں میں صفائی کا انتظام کرواتا۔ پرائیویٹ اسکولوں کا حال بھی کچھ اچھا نہیں ہے۔ وہاں چھوٹے بچوں کے کورس کو آسان کرواتا۔ اور ہوم ورک بھی کم کرواتا۔ اور امتحان کے نظام کو سخت کرواتا، تا کہ بچے اپنی محنت سے کامیاب ہوں۔

اسکول کے بچوں کے یہ تاثرات یقیناً قابل ستائش ہیں۔ حالانکہ بچوں کے بیان کردہ مسائل میں سے زیادہ تر ایسے بھی ہیں جن کی ذمہ داری وزیر تعلیم کی نہیں بنتی بلکہ یہ مسائل اسکول انتظامیہ، پرنسپل، یا ڈسٹرکٹ ایجوکیشن آفیسرز بھی حل کر سکتے ہیں بشرطیکہ وہ اپنی ذمہ داری بہ طریق احسن وجوہ ادا کریں۔

لیکن بچوں کی ان تحریروں میں نا صرف یہ ان کی ذہانت اور معصومیت جھلکتی ہے بلکہ مستقبل کے لئے ان کی فکر، تعلیمی مسائل سے آگاہی اور شعور اور انہیں حل کرنے کی آرزو بھی بہ درجہ اتم موجود ہے۔ اے کاش کہ حکام بالا ان بچوں کی معصوم تحریروں ہی سے کچھ سبق حاصل کر لیں اور ان کے بہتر مستقبل کے لئے کوئی موثر لائحہ عمل ترتیب دیں۔ ❁

حمدان احمد

ماہر حسن

عبدالرحمٰن

محمد مہد منیب

ایس ایچ جعفری طنز و مزاح میں انفرادیت رکھتے ہیں۔ ماہنامہ 'اطراف' کے قلمی معاون اور خیر خواہ ہیں۔ دردمند پاکستانی ہیں۔ ان کی تحریروں میں وطن کا درد بھی ہوتا ہے۔ اور وطن کی دولت لوٹنے والوں کے لیے تیز ترین نشتر بھی۔ تھوڑے لکھے کو زیادہ جانیں۔ اور سطروں کے بیچ بیچ پڑھیں۔ اس میں آپ کی عافیت بھی ہے اور 'اطراف' کی بھی۔

قدر مشترک۔ صدق دلی سے لوٹ مار کا جذبہ

مقامی غیر ملکی بینکوں کی سہولتیں۔ تہذیب یافتہ ملکوں کی فراخدلی

☆ ایس ایچ جعفری

بچپن سے سنتے چلے آئے ہیں کہ پہلے زمانے میں ایک علی بابا ہوا کرتے تھے جن کو چالیس چوروں کی خدمات حاصل تھیں۔ گھر بار، بال بچوں کی فکر سے انہوں نے اپنے کو آزاد رکھا تھا۔ ان کی زندگی کا واحد مقصد لوٹ مار تھا۔ وہ امیروں کو لوٹتے اور اپنی پان بیڑی کا خرچ نکال کر لوٹا ہوا مال غریبوں میں تقسیم کردیے، اس کی دو وجوہ تھیں، ایک تو یہ کہ وہ غریبوں سے محبت کرتے تھے اور معاشرے سے عدم مساوات کو دور کرنا چاہتے تھے۔ دوسرے یہ کہ لوٹی ہوئی رقم اتنی زیادہ ہوتی تھی کہ اس کو رکھنے کا کوئی معقول انتظام نہیں تھا۔ نہ بینکاری کی سہولت میسر تھی اور نہ ہی دبئی، لندن، نیویارک میں محلات خریدنے کا رواج عام ہوا تھا۔

علی بابا اپنے تمام ساتھی بہت ٹھوک بجا کر رکھتے تھے۔ وہ تعلیم یافتہ نہ ہونے کے باوجود اعلیٰ اخلاق کے مالک تھے۔ ان کی خوش اخلاقی کا یہ عالم تھا کہ لٹنے والے بھی اس سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتے، بااصول بھی، ایک ہی گھر کو دوبارہ نہیں لوٹتے۔

علی بابا کی زندگی کے حالات سے متاثر ہوکر ایک اصلی حکمراں نے چلتے چلتے تیرہ کثیر الخیال لوگوں کی جس خوش اسلوبی سے یکجا کیا وہ قوم کے لیے ناقابل فراموش ہے۔ ان لوگوں میں اگر کوئی چیز مشترک تھی تو وہ تھی صدق دلی سے لوٹ مار کا جذبہ! اور یہ ان کے جذبے کی صداقت ہی تو تھی جس نے انہیں منافقت کے اٹوٹ بندھن میں باندھا ہوا تھا۔ سارے اختلافات کو پس پشت رکھ کر بڑی محبت اور خلوص کے ساتھ ایک دوسرے سے پیش ہوتے ہوئے نظر آتے ہیں۔

خدمت خلق کے جذبے سے سرشار مقامی اور غیر ملکی بینکوں نے ان کو ہیرا پھیری کی تمام تر سہولتیں مہیا کی ہوئی تھیں/ ہیں۔ تہذیب یافتہ (مغربی) ممالک کی حکومتوں نے وسیع القلبی کا مظاہرہ کرتے ہوئے ان کو سرمایہ کاری کے ہر طرح کے مواقع فراہم کیے ہوئے تھے/ ہیں۔ وہ اس بکھیڑ میں نہیں پڑتیں کہ سرمایہ کہاں سے اور کیسے حاصل کیا گیا۔ طریقہ کار جائز تھا یا ناجائز۔ اگر دیکھا جائے تو اس قسم کے غیر ضروری سوالات کی کوئی گنجائش بھی نہیں تھی۔ آپ خود ہی سوچیے کہ کبھی گوشت والے/ سبزی والے نے آپ سے کبھی یہ سوال کیا کہ آپ کی پاس رقم کہاں سے آئی۔ تو آخر محلات اور Ranches (گوگل

علی بابا اور بارہ چوروں کے ہوش رُبا اسکینڈل

میں اس لفظ کا ترجمہ ہے 'افزائش کا مویشی خانہ) خریدنے والوں سے یہ غیر ضروری سوالات کیوں کئے جائیں؟ یہ دوسری بات ہے کہ عام لوگوں کے لیے تہذیب یافتہ ممالک نے Money Landering کے سلسلے میں انتہائی سخت قوانین نافذ کیے ہوئے ہیں (عام لوگوں کو راہ راست پر رکھنے کے لیے) بینک اکاؤنٹ کھولنے کے لیے پچاسوں سوالات کیے جاتے ہیں لیکن بریف کیس بھر کر ڈالر، اسٹرلنگ وغیرہ لے جانے والوں کے لیے (اپنی قومی مفاد میں) چشم پوشی سے کام لیا جاتا ہے۔

تہذیب یافتہ ممالک کا یہ قومی جذبہ قابل ستائش ہے۔ کاش تیسری دنیا کے ممالک بھی کبھی کبھی اپنا قومی مفاد دیکھ لیا کریں سے تھوڑا سا ہی سہی!

علی بابا اور بارہ چوروں کے زیادہ بڑے اسکینڈل فی الحال سامنے نہیں آئے ہیں سمجھ دار اور وسیع تجربے کے مالک ہیں، احتیاط سے کام لے رہے ہیں۔ اپنے کرتوت کا ریکارڈ سمندر کی لہروں کے حوالے کردیا ہے اور دوسرے یہ کہ ان کے نئے کارنامے سامنے آئیں گے۔ تقریباً سب ہی کاتب تحریر اپنی اپنی مصلحتوں کا شکار ہیں، مہنگائی کے اس دور میں اپنی ضروریات پوری کرنے کے لیے حکومت وقت کے تعاون کی ضرورت پڑتی ہے، ضمیر فروشی تو اب ویسے بھی کتابوں میں پائی جاتی ہے۔

علی بابا اور ان کے آلی موالیوں کے سرکاری دورے، وزیر اعظم اور ایئر فورس کے جہازوں کا بے دریغ استعمال، اعلیٰ ترین ہوٹلوں میں قیام، کوئی لندن اور واشنگٹن کے چکر لگا رہا ہے کوئی تھائی لینڈ کا۔ نہ جانے کیوں لوگ راجہ رینٹل کی کہانی بار بار دہراتے ہیں کہ وہ کینیڈا بہت بڑے وفد کے ساتھ (جس میں ان کے خاندان کے افراد بھی شامل تھے) گئے۔ مہنگے ترین ہوٹل میں قیام کیا۔ خوب سیر و تفریح کی، نیاگرا فال، پہ قدم رنجہ فرمایا وغیرہ جبکہ بھارت اور بنگلہ دیش کا وفد چھوٹا تھا اور اس نے یا تو اپنے سفارت خانہ یا سستے ہوٹل کا انتخاب کیا۔ بات ہمت اور حوصلے کی ہوتی ہے، خاندان مغلیہ کی ناجائز اولادیں شاہی مزاج رکھتی ہیں۔ یہ سستے ہوٹل میں ٹھہرنے کا تصور بھی نہیں کرسکتیں جہاں تک بات قوم کی ہے تو یہ غلام ابن غلام، ابن غلام، ابن غلام ہے صدیوں کے غلامی کے اثرات اتنی جلدی تو زائل نہیں ہوسکتے۔

بات علی بابا اور ان کے ساتھیوں کی غلامی پر ختم نہیں ہوگی۔ یہ دولت کی پرستار جو کھانے میں ملاوٹ کرتی ہے، زندگی بچانے کی دواؤں میں ملاوٹ کرتی ہے، رشوت ستانی کے ناسور میں مبتلا ہے، مکر فریب کو اپنا شعار بنایا ہوا ہے وہ علی بابا اور بارہ چوروں کی اولادوں اور ان اولادوں کی اولادوں کی غلامی کو سر و چشم قبول کرے گی۔ اس قوم کو آزادی کیوں کر حاصل ہوسکتی ہے۔ یہ تو اس کی طلب گار ہی نہیں!

جہاں تک علی بابا اور ان کے ساتھیوں کا تعلق ہے تو بیچ چورستے پر دال کی ہانڈی کے اردگرد، جوتے ہاتھ میں لیے بیٹھے ہیں دال کے بٹنے کے انتظار میں۔ پنجاب آبادی کے لحاظ سے ملک کا سب سے بڑا صوبہ ہے، وہ ملک میں بہتری لاسکتا ہے بشرطیکہ وہ اپنے ماضی کے کردار سے ناطہ توڑ سکے۔

نامعلوم افراد

نامعلوم افراد بھی عجیب و غریب مخلوق ہے۔ اطراف میں ہوتے ہوئے بھی نظر سے اوجھل رہتی ہے۔

تیسری دنیا کے بیشتر ممالک میں عظیم قومی مقاصد کے پیش نظر، بھٹکے ہوئے لوگوں کے راہ پر لانے کے لیے نامعلوم افراد کی خدمات حاصل کی جاتی ہیں۔ یہ بڑے باکمال لوگ ہوتے ہیں اور ان کی باتوں میں بڑا اثر ہوتا ہے۔ زیادہ تر لوگ ان کی ایک ٹیلی فون کال پر ہی سدھر جاتے ہیں، جو ذرا زیادہ ڈھیٹ ہوتے ہیں وہ گاڑی بھیج کر بلوالئے جاتے ہیں اور تناسب خاطر تواضع سے مرعوب ہوکر بے راہ روی سے گریز کرنے پر آمادہ ہوجاتے ہیں۔ کچھ ایسے لوگ نہیں ہوتے ہیں (زیادہ نہیں) جو نامعلوم افراد کے اعلیٰ اخلاق سے متاثر نہیں ہوتے تو ان کی توجہ شہر کی بگڑتی ہوئی امن عامہ کی صورت حال اور اس سے ان کے گھر کی بہو، بیٹیوں وغیرہ کو لاحق خطرات کی طرف توجہ مبذول کروائی جاتی ہے، اگر انسان میں ذرا سا بھی شرافت کا عنصر ہے تو وہ صراط مستقیم پر آجاتا ہے۔ اگر اس پر بھی باز نہیں آتا تو اس کو راہ راست پر لانے کے لیے دوسرے زیادہ موثر طریقے اپنائے جاتے ہیں۔ اس وقت تک جب کہ خاطر خواہ نتائج حاصل نہ ہوجائیں! گمراہ لوگوں کو صراط مستقیم پر لانے کا عظیم قومی مقصد حاصل ہونا نامعلوم افراد کے لیے یقیناً باعث طمانیت ہوگا۔ ❁

عمر کا سورج

سعیدہ افضل اپنی آپ بیتی جس لگن اور شوق سے لکھ رہی ہیں اس سے گزری صدیوں کا رہن سہن اپنے چمکتے رنگوں کے ساتھ ہمارے سامنے جلوہ گر ہو رہا ہے۔ ان دنوں کی استعمال کی چیزیں، طور طریقے وہ بہت خلوص سے رقم کر رہی ہیں۔ ''عمر کا سورج'' اُردو کے خودنوشت ادب میں یقیناً ایک اہم اضافہ ہوگا۔ جس سے سرائیکی وسیب کھل کر چمکے گا۔ اس قسط کو سعیدہ افضل نے عنوان دیا ہے۔ ''ڈیرہ میں ہمارا وسیب' 1947 سے 1949''۔ پڑھیے اور اپنی رائے دیجئے۔

قسط نمبر 5

امیر لوگ اپنے تانگے گھوڑے کو چوان رکھتے تھے

صاف پانی کے لیے ہر محلّے کا اپنا ماشکی

مائیں بچوں کو سرکاری پانی سے نہلاتی تھیں

☆ سعیدہ افضل کی آپ بیتی

ہمارے گھر کے آگے نیم کا بڑا سا درخت تھا۔ سائیں سائیں جس کی چھاؤں میں اپنی چارپائی ڈالے رکھتا اور گھوڑے کو تنے سے باندھ دیتا تھا۔

بال ملتانی مٹی سے دھوئے جاتے

3 بلاک کے چوک میں سرکاری نلکا لگا ہوا تھا وہ اس نلکے سے بالٹی بھر کے گھوڑے کو پلاتا۔ اس کو خرخرہ لگاتا۔ نعلیں لگواتا۔ جب دادا سفر پر جاتے تو گھوڑے پر ساز رکھتا لگام وغیرہ ڈالتا۔

پہلے زمانے میں لوگ گھوڑوں پر ہی سفر کرتے تھے۔ خواتین تانگوں پر جاتیں یا ڈولیوں میں، جن کو کہار اٹھاتے تھے۔ میری اماں بتاتی تھیں جب ان کی شادی دسمبر 1941 میں ہوئی تھی تو وہ ڈولی میں میکے کے گھر سے رخصت ہو کر سسرال آئی تھیں۔

ان دنوں باہر سے تانگے نہیں بلواتے تھے بلکہ در پر اپنے تانگے گھوڑے رکھتے، کوچوان بھی اپنا ہوتا جو مستقل ملازم رکھا جاتا۔ جس کی رہائش، کھانا پینا بھی مالک کے ذمے رہتا، دادا نے بھی

میرے والد لندن سے ہمارے لیے صابن لاتے

کوچبان کو رہائش دی ہوئی تھی۔

چوک کے بیچوں بیچ جو نلکا تھا اس میں ٹونٹی نہیں لگی ہوئی تھی۔ یہ نلکے سرکار لگواتی تھی۔ تبھی ان کو سرکاری نلکے کہا جاتا اور ان کے پانی کو سرکاری پانی کہا جاتا تھا۔ نلکے کے گرداگرد پختہ حوضی بنی ہوئی تھی فاضل پانی بہہ بہہ کر چوک میں نہیں پھیلتا تھا۔ بلکہ چھوٹی نالی سے بڑی نالی میں چلا جاتا تھا۔ ان دنوں نالیوں میں گھریلو استعمال کا صاف پانی ہوتا اور سیوریج کا پانی شامل نہیں ہوتا تھا۔ سرکاری نلکے کی حوضی سے جو شفاف پانی نکلتا بچے اس نالی میں اپنے پاؤں دھوتے ان کی دیکھا دیکھی میں بھی اس پانی میں پاؤں مارا کرتی۔

کھار کی جڑی بوٹی سے دھلے کپڑے چٹے سفید

روز صبح وشام وقت مقررہ پر تین سے چار گھنٹے تک چوک کے سرکاری نلکے میں میٹھا پانی آتا رہتا۔ محلے کے لوگ اپنے مٹکے وغیرہ قطار میں لا کر رکھ دیتے کہ یہ پانی ہر گھر کی ضرورت تھا۔ تاہم یہ پانی وافر مقدار میں آتا اور بہتا رہتا تبھی وہاں پانی پر کبھی جھگڑا نہیں ہوتا تھا۔

ہر محلے کا ایک ماشکی مقرر تھا جو مشکیزے سے پانی گھروں کو بہم پہنچاتا۔ کچھ ماشکی کندھوں پر ڈنڈا یا بانس رکھ لیتے جن کے دونوں سروں پر ترازو کے پلڑے کی طرح رسی سے دائیں بائیں دو مٹکے لٹکے ہوتے۔ ان مٹکوں کو بھر کر وہ گھروں میں پانی پہنچاتے تھے۔ ہر گھر میں یوں تو ہتھی والے نلکے بھی تھے جن کو زمین میں بورنگ کر کے لگایا جاتا تھا۔ جب ہتھی کو اوپر نیچے گیڑتے تو زمین کے اندر سے گرمیوں میں ٹھنڈا اور سردیوں میں نیم گرم پانی آتا جو نہانے میں مزہ دیتا لیکن یہ پانی کھارا ہوتا جس کو یہاں 'کوڑا پانی' یعنی کہ کڑوا کہا جاتا۔ یہ پینے اور کھانا پکانے کے لیے استعمال نہیں ہوتا تھا۔ اماں مجھ کو سرکاری پانی سے

سعیدہ افضل رعنا فاروقی (کلاس فیلو) کے ہمراہ۔ (1970)

نیا سال مبارک

نہلاتی تھیں۔ کیونکہ کھارے پانی سے بال بے رونق، اور گتھ جاتے تھے کنگھا کرنے پر بہت دقت سے سلجھتے تھے۔

ان دنوں لوگ صابن صرف منہ ہاتھ، دھونے کے لیے استعمال کرتے تھے جو غریبوں کو نصیب نہیں ہوتا تھا تبھی ساسیں بہوؤں سے کہتیں کہ ہاتھ منہ دھونا پاؤں دھونے کے لیے صابن استعمال نہیں کرنا ورنہ تلووں میں صابن لگ جانے سے قیامت کے دن۔ پل صراط سے پھسل کر دوزخ میں گر پڑو گی۔

ہاتھ منہ دھونے اور نہانے کے لیے صابن غیر ملکی ہوتے تھے۔

میرے والد جب لندن جاتے ہمارے لیے وہاں سے صابن لاتے نفیس کپڑے دھونے کے لیے بھی بڑے بڑے گتے کے ڈبوں میں

پڑوپے۔ٹوپے۔پڑوپیاں عمدہ لکڑی کے بنے ہوئے

خوشبودار اور چمک دار ریشمی، چورا صابن ہوتا جس پر لکس لکھا ہوتا تھا۔ اور میڈ ان انگلینڈ ہوتا تھا۔

ڈیرہ میں تب لوگ بالوں کو ملتانی مٹی سے دھوتے جو شیمپو کا کام دیتی۔ اس کے ساتھ کھارے پانی سے بھی بال دھوئے جاسکتے تھے۔ جبکہ صابن اس پانی میں جھاگ نہیں بناتا تھا اور ہر گھر میں اکثر جمعے کو کھار کا پیپا چڑھتا تھا۔ کھار کو ڈنڈے سے توڑ کر اس کے بھورے میلے کپڑے پانی کے ساتھ پیپے میں ڈال کر چولہے پر چڑھا دیتے۔ یہ سرمئی کھار پتھر کی طرح سخت ہوئی چولستانی جڑی بوٹی سے بنتی تھی۔ جب اس کے ساتھ کپڑے دیر تک ابلتے تو چٹے سفید ہو جاتے۔ کھار کے ساتھ کپڑے دھونے کے اس عمل کو ''کھنبھ'' چڑھانا کہتے تھے۔ غالباً کھمبی کو بھی اس لیے کھمبی کہا جاتا ہے کہ وہ سفید ہوتی ہے۔ تبھی ڈیرہ کے لوگ جب کسی شے کی سفیدی کو بیان کرتے ہیں تو اسے چٹی کھمبور کہتے ہیں۔ سفید رنگت والے کو بھورا، سفید پر کو کھمبہ اور صبح کو بھور کہتے ہیں مگر مجھے حیرت ہے کہ ملتانی مٹی کو ملتانی کیوں کہتے ہیں، حالانکہ یہ روہ کے پہاڑوں کو کھود کر بلوچ اونٹوں پر ڈیرہ شہر لاتے

''پتی'' ملا کر نہر کنارے دعوت کا اہتمام ہوتا

تھے یہاں زندہ پیر کی طرف اس چکنی مٹی کے پہاڑ ہیں اور روہ کا رستہ سرمئی ریت کا ہے۔

جب بچپن میں سنگ (کارواں) کے ساتھ ہم زندہ پیر گئے تھے میں نے یہ ریتیلیا بیابان دیکھا تھا ان دنوں سڑکیں نہ تھیں تو ایسے علاقوں کے لوگ شہر آنے کے لیے اونٹوں کجاوں پر سفر کرتے تھے۔

آج یہ ملتانی مٹی سو روپے کی مٹھی بھر ملتی ہے میرے بچپن میں تھوڑے سے اناج کے بدلے پورا اونٹ (2بورے) روہ پہاڑوں کے یہ غریب باشندے گھر کے دروازے پر اتار جاتے تھے۔

ڈیرہ میں یہ مٹی ہر گھر کی ضرورت ہوتی تھی۔ جن کے مکان کچے تھے وہ اس سے لپائی کرتے اور اسکول کے بچے اپنی تختیوں پر قلم سیاہی سے لکھی تحریر کو مٹاتے تھے اسی لیے اس کو میٹنی کہتے تھے، پنجابی میں شاید اس کو گاچنی کہتے تھے آج بھی دیہات اور ڈیرہ کے گھروں میں ملتانی مٹی کو بال دھونے کے لیے استعمال کیا جاتا ہے اس کے ساتھ سر دھونے سے بالوں میں جوئیں نہیں پڑتیں کیمیکل نہیں ہوتا قدرتی نامیاتی عنصر ہونے سے بال مضبوط اور چمکیلے ہو جاتے ہیں دیر عمر تک سیاہ رہتے ہیں۔

ہتھی والے نلکے بھی گھروں میں موجود ہیں لیکن

آواز آتی طالب کی روٹی دے دو

ان میں سے کھارا پانی ہی نکلتا ہے۔ تبھی لوگ پینے اور کھانا پکانے کے لیے میٹھے پانی کے کین خریدتے ہیں۔

پرانے زمانے کے سرکاری نلکے اب نہیں رہے۔ جن سے میٹھا پانی آتا تھا۔ وہ انتظام تو غالباً انگریز بہادر کا تھا۔ اب گھروں میں سرکاری پانی پائپ لائنوں سے وقت مقررہ پر آتا ہے لیکن اس میں سیوریج کا پانی ملا ہوتا ہے جبکہ کین والا پانی صاف شفاف ہوتا ہے اور مضر صحت نہیں ہوتا کیونکہ یہ پانی بڑی نہر کے پاس بورنگ کر کے حاصل کیا جاتا ہے تاہم کھارا پانی بھی ڈیرہ والوں کی اہم ضرورت ہے۔ جس سے گھروں میں دھونے ڈُھلانے کا کام ہوتا ہے اور چھڑکاؤ کیا جاتا ہے۔

اعجاز قادر ایڈووکیٹ جن کی شادی ڈیرہ غازی خان میں ہوئی۔(26اپریل۔1970)

جب میں 1970 سے 2001 تک ڈیرہ میں تھی تو لوگ کہتے تھے کہ سرکاری پائپ لائن کے پانی سے بہتر تو ہتھی والے نلکوں کا پانی ہے کم از کم بدبودار تو نہیں ہوتا۔

گرمیوں میں لوگ صبح سہ پہر شام نہاتے اگر گرمی زیادہ تنگ کرتی تو رات کو بھی ہتھی والے نلکے کے نیچے بیٹھ کر نہا لیتے۔ خواتین اس کھارے پانی سے برتن اور کپڑے دھو لیتی۔

چھٹی کے دنوں میں مرد حضرات 'پتی ملاتے' مطلب کہ دوست مساوی رقم ملا کر دعوت کا اہتمام کرتے یہ لذیز بٹیروں کا سالن وہ بڑی نہر پر لے جاتے اور پکنک مناتے۔ تیراکی کرتے۔ جبکہ چھوٹی نہر جو شہر سے قریب تھی (اب بھی ہے) وہاں کم عمر لڑکے بالے پانی میں ڈبکیاں لگاتے اور موج میلا کرتے۔ تب میرے بابا بھی دوستوں کے ساتھ پتی ملا کر نہر پر پکنک منانے اور تیراکی کرنے جاتے تھے۔ بتاتی چلوں کہ میرے بابا کی شادی سولہ سال کی عمر میں ہوئی تھی جب وہ نویں یا دسویں میں پڑھتے تھے اور میری والدہ ان سے پانچ برس بڑی تھیں۔ میرے نانا اور دادا آپس میں چچازاد تھے۔

ان دنوں گھروں کے دروازے کھلے رہتے تھے۔ خواتین بے دھڑک گھر میں آجاتی تھیں لیکن مرد حضرات خواہ کتنے ہی قریبی عزیز کیوں نہ ہوتے، پہلے دروازے پر ٹھہر کر صاحب خانہ کا نام پکارتے۔ جب تک گھر کے اندر سے جواب نہ آجاتا وہ بغیر اجازت دہلیز پار نہ کرتے۔ خود صاحب خانہ بھی بغیر اطلاع گھر میں داخل نہ ہوتے۔

میرے دادا بھی جب باہر سے گھر میں آتے تو ڈیوڑھی میں ٹھہر جاتے۔ گھر میں آنے سے قبل اپنے چھوٹے بیٹے اکبر خان کا نام لے کر پکارتے، کھانستے، کھنکارتے، یہ ریت اس لیے تھی کہ گھر میں موجود ان کی بہو بیٹیاں، انکی آمد سے باخبر ہو جائیں۔ لیٹی ہوتیں تو اٹھ کر بیٹھ جاتیں۔ میری والدہ اور پھوپھیاں سروں کو ڈھانپ لیتیں، صحن میں ہوتیں تو کمروں میں چلی جاتیں، یہ ایک طرح سے احترام اور حفظ

مراتب کے طور پر ہوتا تھا۔
ان دنوں سبھی مکانات میں ڈیوڑھیاں ہوتی تھیں۔مرکزی دروازہ کشادہ اوراس پر سائے کا انتظام رکھتے۔اس لیے دروازے کے اوپر چھجا ہوتا جس میں محراب کے اندر پختہ رنگوں سے نقش و نگار بنے ہوتے۔ در کے دائیں بائیں

گھروں کے دروازے کھلے رہتے لیکن مرد دستک دے کر اندر آتے

پختہ اینٹوں سے چوکیاں بنی ہوتیں،یہ ایک طرح سے دربانوں اور چوکی داروں کے لیے نشست کا کام دیتیں۔ دروازے کے دونوں جانب دیواروں میں جاذب نظر طاقچے بنے ہوتے۔ جن میں روشنی کے لیے دیئے رکھے جاتے تھے۔ یا پھر لیمپ جن کو ہنڈے کہتے۔
مجھ کو بچپن میں دیئے بہت اچھے لگتے تھے یہ میرے لیے روشن کھلونوں کے جیسے تھے۔ان میں تیل ڈالنا، کپاس کے پھنبے سے ''وٹ'' بنانا اوران کو جلا کر طاقچے میں رکھنا میرا محبوب مشغلہ تھا شام ہوتی تو دادی سے کہتی۔مجھ کو سرسوں کا تیل ڈال دیں،وہ دیئے میں تیل ڈال کر ان کو جلا کر دیتیں۔کہتیں،دھیان سے لے جاؤ نہیں تو یہ بجھ جائے گا میں اپنی ہتھیلی سے روکتی بنا کر اس کو ہوا سے بچاتی دھیرے دھیرے چلتی بیرونی دروازے کے طاقچوں پر رکھ آتی اگر دیا نہ بجھ جاتا اور صحیح سلامت طاقچے تک پہنچ جاتا تو میرے نزدیک یہ ایک کارنامے جیسا ہوتا۔
ہمارے در پر کوئی دربان مقرر نہیں تھا نوکر چاکر ہوتے یہ چاکر بیلی بیٹھک میں کھانا وغیرہ

مجھے روشن دیئے اچھے لگتے۔میں ان میں تیل ڈالتی

کھاتے، ہمارے کھوؤں (کھیتوں) سے آئے مزارعے بھی اس بیٹھک میں ٹھہر کر آرام کرتے۔
ہمارے محلے میں ہر طرف سکون ہوتا۔سب لوگ یہاں ایک دوسرے پر جان نچھاور کرتے۔ان کے دل ایک دوسرے کے لیے محبت سے بھرے ہوتے تھے۔گھر کے دروازے سارا دن کھلے رہتے اگر دروازے کو عارضی طور پر بند کرنا ہوتا تو کنڈی نہیں لگاتے تھے بلکہ 'ہڑکا' لگا دیتے تھے۔
میں محلے کے ہر گھر میں جب چاہے چلی جاتی کوئی مجھے نظرانداز نہ کرتا سبھی پیار سے بلاتے۔ میرا ہاتھ 'ہڑکے' تک نہ جاتا تو گلی سے گزرتا کوئی بھی شخص میری مدد کر دیتا۔
ہُڑکا،لکڑی کی ایک مضبوط پھٹی سے بنتا تھا، در کے دونوں پاٹوں کے سامنے روک کر کام دیتا، اس کے ایک سرے پر لٹو سا بنا ہوتا، باہر سے آنے والا اس لٹو کو گھماتا تو پھٹی جو اس کے ساتھ جڑی ہوتی از خود گر جاتی اور دوازہ کھل جاتا۔
ان دنوں گھروں میں اچکے نہیں گھستے تھے۔ چوروں کا ڈر تھا اور نہ بچے اغوا ہوتے تھے۔کوئی بچہ گھر سے دور نکل جاتا رستہ بھٹک جاتا۔ محلے کے سارے لوگ اس وقت تک چین سے نہ بیٹھتے جب تک کہ وہ اس بچے کو ڈھونڈ کر اس کے والدین تک نہ پہنچا دیتے۔ کسی کی بکری بھی گم ہو جاتی تو یہ اس کو اسی طرح تلاش کرتے کہ جیسے ان کی اپنی بکری گم ہو گئی ہو۔
ان دنوں لوگ اپنے گھروں میں بکریاں رکھتے تھے۔صبح سویرے مقررہ وقت پر چرواہا آتا جس کو آجڑی کہتے تھے۔ اس کے ساتھ آجڑ (بکریوں کا گلہ) ہوتا۔وہ ہمارے چوک میں ٹھہر کر ایک مخصوص آواز نکالتا جونہی بکریاں

دادا بیٹے کا نام پکارتے۔کھانستے۔کھنکھارتے۔ بہو بیٹیاں باخبر ہو جاتیں

اس آواز کو سنتیں۔وہ اگر صحن میں بندھی ہوتیں تو کھونٹے سے رسہ کشی کرنے لگتیں اگر کھلی ہوتیں تو دوڑتی ہوئی دروازے سے باہر نکل جاتیں اور چرواہے کے گلّے میں گھل مل جاتیں وہ ان کو شہر سے دور کسی چراگاہ میں لے جاتا اور شام کو، مغرب سے ذرا پہلے واپس لاتا۔بکریاں اپنے اپنے ٹھکانے خوب پہچانتی تھیں۔از خود بھاگتی ہوئی گھروں کے اندر چلی جاتی تھیں۔
محلے کے اکثر گھروں میں بھینسیں تھیں لوگ بازار سے دودھ خریدنا، یا اپنے گھر کی بھینس گائے کا دودھ بیچنا معیوب خیال کرتے تھے۔ محلے کے کسی گھر بھینس نہ ہوتی تو دادا ان کے بچوں کے لیے روزانہ بلا معاوضہ دودھ بھیجتے تھے۔بھینس سوئی ہوتی یعنی دودھ دے رہی ہوتی تو اس کو صحن میں کھونٹے سے باندھے رکھتے، سوکھ جاتی (دودھ دینا بند کر دیتی) تو اس کو مزارعوں کے حوالے کر دیتے جو اسے کھوہ پر لے جاتے اور دوسری بھینس پہنچا جاتے جو پورے دنوں کی گابھن ہوتی تھی۔ جونہی وہ اپنے ننھے منّے بچھڑے یا بچھڑی کو جنم دیتی میں ان سے دل لگا لیتی۔
1947 میں ہمارے دادا کی بیٹھک کے کونے سے ایک گھر چھوڑ کر گلی کا دوسرا گھر جو پانچ مرلے کا تھا۔وہ ڈھائی ڈھائی مرلے کے دو گھر میں تقسیم تھا۔ ایک میں اپنے محلے کا ماشکی اور دوسرے میں ایک عورت بکھو نامی رہتی تھی۔مجھ کو کچھ ایسا یاد پڑتا ہے کہ اس کی بیٹی کا نام پیڑی تھا یا کہ اس کو ہی بکھو پیڑی بلاتے تھے۔بہرحال وہ گھر میں بھٹی سلگاتی اور چنے بھون کر دیتی تھی۔
وہ کالے دیسی چنوں کو بھون کر خستہ چنوں میں تبدیل کر دیتی یہ گرما گرم تازہ بہت لذیز ہوتے ۔وہ چالکیں بھی بناتی۔ چنے کی چکی پر دلی دال کو ایک خالی گرم کڑھاؤ میں ڈال کر لکڑیوں کی تیز آگ پر رکھ دیتی اور چیتل کی گڑوی کے پیندے سے رگڑتی رہتی یہاں تک کہ دال بھن جاتی اور چھلکے علیحدہ ہو جاتے۔سوندھی سوندھی خوشبو والی دال چالکیں کہلاتی۔ یہ شہر والوں کے لیے ستو کے جیسی ایک سوغات تھی۔ چالکوں سے گڑ دھانی، گجک اور گڑ والے لکڑے بھی بنتے تھے جن کو بچے بڑے شوق سے کھاتے تھے۔
محلے کے اور بچوں کے ساتھ 'پڑوپی بھر' چنے میں بھی اس بھٹیارن سے بھنوانے کو لے جاتی۔ بھٹیارن بھنوائی کے بدلے پیسے نہیں لیتی تھی بلکہ چنے اور گندم لیتی تھی۔اس زمانے میں دکان دار پیسوں کے بدلے اناج لے لیتے تھے۔ہم اناج کے دانے پڑوپی میں بھر کر لے جاتے۔
پڑوپی لکڑی سے بنا کٹورا ہوتا تھا۔ اسی طرح پڑوپی سے بڑا پڑوپا اور اس سے بڑا ٹوپا ہوتا۔
یہ پیمانے اجناس کے وزن اور مقدار کا اندازہ کرنے کو استعمال ہوتے تھے جیسا کہ اب بھی دودھ ناپنے کو پوّے، کا استعمال ہوتا ہے۔ ٹوپے میں غالباً سیر بھر اناج سما جاتا تھا۔ 1970 میں جب میں کراچی سے ڈیرہ بیاہ کر آئی۔میری ساس کے پاس بھی پرانے زمانے کے یہی پیمانے تھے۔جن کو وہ استعمال بھی کرتی تھیں اپنی خادمہ جنتاں مائی سے کہتیں۔ بوری سے ایک پڑوپی بھر لو اور چاولوں کا آٹا چکی پر پیس دو۔اسی طرح ایک ٹوپا بھر اناج غالباً سیر بھر اناج کا ہوتا یا زیادہ۔مجھے اب ٹھیک طرح یاد نہیں۔
یہ پڑوپیاں۔ٹوپے۔ پڑوپے۔ عمدہ پکی لکڑی کے کاریگروں کے ہاتھوں بنتے تھے جن کی لکڑی پر رنگ و روغن کر کے ان کو خوبصورتی دی جاتی تھی۔
محلے والے گرمیوں میں طباخی یا بھٹیارن سے روٹیاں لگواتے تو ان کو بھی روپے پیسے کے بدلے بطور اجرت آٹا دیتے تھے۔
میرے بچپن میں والدا اپنی پھوپھی مہرو کو جو محمد پور کے بڑے زمیندار شاہنوار گنڈگوری کے بھائی مرتضٰی گنڈگوری سے بیاہی ہوئی تھیں۔اپنی کار میں برف کی سلیں رکھ کر پہنچانے جاتے تو میں ساتھ جاتی۔ بوا مہرو کی چھوٹی بیٹی بلقیس میری ہم عمر تھی وہ میری سہیلی تھی۔
ایک پڑوپی گندم کی بھر کر وہ مجھے دکان پر لے جاتی اور گندم کے بدلے گجک اور تل کے لڈو

لے کر دیتی تھی۔ محمد پور میں بھی اشیا کے بدلے اجناس کا نصاب چلتا تھا۔ ان دنوں ملکہ وکٹوریہ کا سکہ چلتا تھا۔ تانبے کے پیسے پر ملکہ کی تصویر کندہ ہوتی تھی۔ لیکن ہمارا کام تو اجناس دے کر چل جاتا تھا۔ ہم کو گچک، میٹھے چنے اور چاکلیں خریدنے کے لیے ان سکوں کی ضرورت ہی نہ پڑتی۔

روزانہ صبح شام ہمارے گھر سے جامع مسجد میں رہائشی قرآن پاک کا درس لینے اور حفظ کرنے والے غریب مسکین اور دیہاتی بچوں کے لیے کھانا جاتا تھا۔ ان بچوں کو طالب کہا جاتا تھا۔ وقت مقررہ پر طالب در پر صدا لگاتا: ''طالب کی روٹی دے دو'' دادی پہلے سے روٹیاں اور سالن کی کٹوری تیار کر کے چنگیری کو چھنے یا پرات سے ڈھک کر رکھ دیتیں اور طالب کی صدا آتے ہی اس کو کھانا دے دیا جاتا۔ تقریباً ہر محلے کے ہر گھر میں طالبوں کے لیے روٹی کا مستقل بندوبست رہتا تھا۔

ہمارے گھر کے صحن میں کوئی درخت نہیں تھا لیکن یہاں سبھی گھروں میں درخت ہوتے تھے۔ لوگ بیری اور کھجور کے درخت شوق سے لگاتے اور چھاؤں کی خاطر بکائین یا ٹاہلی کے درخت لگائے جاتے یہ اس لیے کہ گرمیوں کا دورانیہ طویل ہوتا اور گھروں کو ٹھنڈا رکھنے کے لیے چھاؤں درکار ہوتی۔ بکائین کے درخت کی چھاؤں بہت ٹھنڈی ہوتی۔ گھر کے درختوں میں جھولے پڑے ہوتے جنہیں پینگ کہتے۔ میری دادی کے بھانجے دوست محمد بزدار کے گھر ٹاہلی کے درخت میں جھولا پڑا ہوا تھا۔ میں ان کے گھر جھولے کے لالچ میں جاتی تھی۔ جھولے پر بیٹھ پینگیں لیتی۔ وہاں منو بی بی مجھ کو اونچی اونچی پینگیں دیتی تھیں۔

منو میری دادی کی رشتہ دار تھی۔ وہ بہت خوبصورت تھی جبکہ اس کی چھوٹی بہن عائشہ اس سے بھی زیادہ حسین تھی۔ عاشو کی شادی چودہ برس کی عمر میں کر دی گئی تھی جس خاندان میں شادی ہوئی وہ ڈکرے کہلاتے تھے۔ عائشہ کو روٹھ کر میکے آجانے کی پاداش میں رات کے وقت اس کے میکے کے گھر میں، اس کی والدہ، چھوٹی بہنوں اور بھائیوں سمیت قتل کر دیا گیا تھا۔ جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے یہ کل سات افراد قتل ہوئے تھے۔ عائشہ کا صرف ایک چھوٹا بھائی جو چالیس دن کا تھا۔ وہ اس وجہ سے بچ گیا تھا کہ چارپائی میں بندھے کپڑے کے جھولے (گنگوٹی) میں سو رہا تھا جس پر کپڑا اپڑا ہوا تھا واردات کے وقت وہ قاتلوں کو نظر نہ آسکا۔ باقی گھر کے تمام افراد کو انہوں نے کلہاڑیوں سے ٹکڑے کر کے مار دیا تھا۔ یہ قتل ہمارے آبائی گھر کے دائیں جانب کی گلی میں واقع ایک گھر میں ہوا تھا۔ جس کی بازگشت آج بھی سنائی دے جاتی ہے۔ اس ظالمانہ واردات کے وقت چونکہ منو بی بی اپنے سسرال بلاک 3 کے آخری مکان میں تھی لہٰذا وہ محفوظ رہی تھی۔ ایک بار مجھے اس گھر میں جانے کا اتفاق ہوا تھا یہ سوچ کر ہی وحشت ہونے لگی کہ یہاں واردات والی رات کس قدر بھیانک ہوگی اسی طرح دو قتل کے واقعات بزداروں کی بستی میں بھی ہوئے تھے جو میری دادی کے رشتے دار تھے۔ یہ واقعات میں نے اخبار جہاں میں ''تین عورتیں تین کہانیاں'' میں کہانیوں کی صورت بھی لکھے ہیں، ان واقعات کو بعد میں قلمبند کروں گی۔

محلوں میں سب لوگ ایک دوسرے پر جان نچھاور کرتے

ہمارے محلے کے رشتے داروں کے مکانات میں صحن بڑے تھے اکثر بھائیوں کے گھر قطار میں ہوتے تھے وہ گھروں کے بیچ دیواریں نہ اٹھاتے یوں صحن جن کو 'حویلی' کہتے تھے بڑے ہوجاتے تھے لہٰذا گھروں میں تقریبات کرنے میں دشواری نہ ہوتی تھی۔ میری دادی کے بھائیوں کے گھر اسی طرح بڑے اور کشادہ صحن والے تھے۔ ان دنوں بڑے ہر حال میں مل جل کر رہتے تھے مگر جب اولادوں کی اولادیں ہوگئیں تو مکانات بھی تقسیم ہوکر چھوٹے رہ گئے۔

(دائیں سے تیسری) سعیدہ افضل، سلطانہ مہر۔ دائیں بائیں انوار احمد زئی کی بہنیں (حیدرآباد)

گھروں میں بکریاں رکھتے۔ چرواہا چراگاہ میں لے جاتا

بلاک 3 کے محلے کے تقریباً سبھی گھر مکینوں کی ذاتی ملکیت تھے۔ کرائے پر گھر دینے اور لینے کا رواج نہیں تھا۔ ڈیرہ شہر کے ہر بلاک میں چوک کی چار گلیاں ہوتی تھیں لیکن بلاک 3 کے چوک کی تین گلیاں تھیں (چوتھی طرف جامع مسجد تھی) ایک گلی سبزی منڈی کو دوسری گلی صدر بازار کو اور تیسری گلی عظمت روڈ کو جاتی تھی اس طرح اس چوک کی بہت اہمیت تھی۔

چوک میں روزانہ ماشکی مشکیزے سے چھڑکاؤ کرتا۔ چوک میں لکڑی کا بڑا سا ہماچہ پڑا رہتا یہ ایک طرح کی دیو قامت چارپائی ہوتی ہے۔ یہ چارپائی عام چارپائیوں سے چار گنا بڑی ہوتی ہے۔ اس کے پائے اونچے بھاری اور مضبوط ساخت میں ہاتھی کی ٹانگوں جیسے موٹے ہوتے ہیں۔ تب اس ہماچے کو میرے دادا نے بنوایا تھا۔ وہی محلے کے معتبر تھے اور شام کو محلے کے رہائشی مرد حضرات ان کے پاس آکر ہماچے پر بیٹھتے صلح صلاح، برادری کے مسئلے مسائل شادی بیاہ سے متعلق مشورے اور گپ شپ بھی کرتے۔ 1948-1949 کا زمانہ تھا آج کل جبکہ 2022ء ہے بلاک 3 کے چوک جائیے گا تو ہماچے کی جگہ آپ کو لوہے کی بنی چارپائی وہاں پڑی ملے گی جو عام چار پائیوں جتنی ہے اور نائیلون کی پٹیوں سے بنی ہوئی ہے۔ جس پر شام کو محلے کے لڑکے بالے بیٹھ کر اب بھی گپ شپ کرتے ہیں۔ لیکن اس چارپائی کا رعب داب نہیں ہے جتنا کہ ہماچے کا ہوتا تھا۔ (جاری ہے) ❁

''دنیا'' کراچی سے رخصت

اخبارات زوال کی طرف تیزی سے سفر کررہے ہیں۔روزنامہ 'دنیا' نئے اخبارات میں ایک معقول اضافہ تھا۔ تازہ ہوا کا جھونکا تھا۔ ملک کے سب سے بڑے تجارتی و صنعتی مرکز کراچی میں 25ستمبر کواچانک کراچی دفتر کا زیادہ عملہ فارغ کردیا گیا۔ 'اطراف' پرنٹ میڈیا کی تباہی کو تہذیب کی تباہی سمجھتا ہے۔ اس لیے سینئر صحافی۔ روزنامہ دنیا کی رپورٹنگ کے سربراہ اور میڈیا کے استادعابد حسین سے درخواست کی کہ وہ س المیے کی رُوداد بیان کریں۔ اس سے آپ ان غلط فیصلوں سے آگاہ ہوں گے کہ پرنٹ میڈیا کے زوال کے ذمہ دار خود میڈیا مالکان ہیں۔ جو پیشے کے وقار کی بجائے صرف ذاتی مفاد کا تحفظ کررہے ہیں۔ دوسرے اخبارات کے صحافیوں کو بھی اپنے مسائل لکھنے کی دعوت عام ہے۔

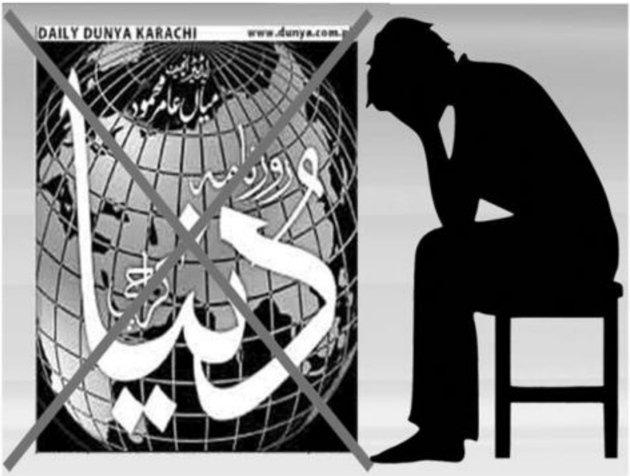

روزنامہ ''دنیا'' کراچی ۔40 سے زیادہ افراد کا معاشی قتل

☆تحریر:عابد حسین

اس روداد میں روزنامہ دنیا کراچی کی بارہ سالہ تاریخ کا مختصر جائزہ پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ میں ذاتی طور پر اپنے استاد محترم سینئر صحافی، ادیب اور شاعر جناب محمود شام کا ممنون ہوں کہ انہوں نے اپنے منفرد رسالے ''ماہنامہ اطراف'' کے لیے اس موضوع پر مجھے کچھ لکھنے کی ترغیب دی۔ ماہنامہ اطراف کو بہت سارے موضوعات پر بروقت آواز اٹھانے کے ساتھ یہ اعزاز بھی حاصل ہے کہ ستمبر 2023 میں اس رسالے میں ''پرنٹ میڈیا کی بقا کیسے''؟ کو موضوع کو تفصیل سے زیر بحث لایا گیا۔ یہ وہی مہینہ ہے جس ماہ روزنامہ دنیا کراچی سے تقریباً نوے فیصد ادارتی اور غیر ادارتی عملے (چالیس سے زائد افراد) کا اچانک معاشی قتل کردیا گیا تھا۔

ماضی میں اخبار کی اشاعت کی وجہ عموماً کوئی ''مشن'' ہوتا تھا اور اس کے بند ہونے کی وجہ مشن کی تکمیل یا حقیقی مالی بحران۔ لیکن آج اخبارات کی اشاعت کی وجہ مشن کے بجائے ذاتی اصل کاروبار کا تحفظ بن چکی ہے اور جب اس مقصد میں ناکامی ہونے لگتی ہے تو اس کا نزلہ ملازمین پر گرتا ہے، اخبار بند یا آپریشن محدود کرنے کے نام پر بیک وقت کئی ملازمین کو بے روزگار کردیا جاتا ہے۔ فی زمانہ مالکان اخبارات کی سوچ ذاتی اثر ورسوخ اور ذاتی مالی فوائد کے حصول تک محدود ہوتی جارہی ہے۔ مالی فوائد سے متعلق جو عنصر بھی کمزور پڑنے لگتا ہے، مالکان اخبارات اسے بند کرنے یا محدود کرنے کا فریضہ انجام دینے میں تاخیر نہیں کرتے۔

آج سے بارہ سال قبل روزنامہ دنیا کراچی کی اشاعت بھی دنیائے صحافت میں تازہ ہوا کے جھونکے سے کم نہیں سمجھی جارہی تھی۔ عام خیال یہی تھا کہ اس کے مالکان چونکہ نجی اور مہنگے تعلیمی اداروں کے پھیلاؤ میں مہارت اور پورے پنجاب میں بہت گہرا معیاری نظام رکھتے ہیں اس لیے یہ گروپ اپنے اخبار کو بھی اسی کاروباری ذہن کے ساتھ دن دونی اور رات چوگنی ترقی کی جانب گامزن رکھے گا۔ دنیا میڈیا گروپ نے مختصر عرصے میں نیشنل کمیونیکشن کی جانب سے پاکستان کے بڑے شہروں لاہور، کراچی، اسلام آباد کے بعد فیصل آباد، ملتان اور گوجرانوالہ سے روزنامہ دنیا کی اشاعت کا اہتمام کرکے

مالکان اخبارات کی سوچ ذاتی مالی فوائد تک

پاکستان کی صحافت میں نئے باب کا اضافہ کیا تھا تاہم وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ یہ باب اب اختتام کی جانب گامزن ہوچکا ہے اور کسی بھی وقت کسی بھی اخباری کارکن کو اس باب کے اس آخری صفحے کا دیدار کرادیا جاتا ہے جس پر لکھا ہوتا ہے ''ختم شد''۔ دفتری زبان میں اسے ''برطرفی کا پروانہ'' بھی کہا جاتا ہے۔

کارپوریٹ سسٹم۔ڈائریکٹروں کی فوج اخباری صنعت تباہ

کارپوریٹ سسٹم کی دنیا میں ڈائریکٹروں کی فوج ظفر موج نے اخباری صنعت کو بھی اسی طرح نقصان پہنچایا ہے جس طرح اس نے پی آئی اے اور پاکستان اسٹیل سمیت اس جیسے کئی اداروں کو نقصان

پہنچا کر تباہی کے دہانے پر لا کھڑا کیا ہے۔غیر ضروری گلیمر اور اخراجات نے کئی اداروں کو تباہ کر دیا جبکہ اخبار کی اشاعت کسی گلیمر کے بغیر صرف ایڈیٹر کی نگرانی میں جفاکش ادارتی ٹیم کے ساتھ کم سے کم اخراجات میں بھی ممکن ہوتی ہے۔ماضی کے بہترین اخبارات اس کی بہترین مثال ہیں۔خود روزنامہ جنگ بھی کارپوریٹ کلچر آنے سے پہلے ایک بہترین اخبار تھا لیکن اب اس کی حالت بھی دگرگوں ہے کیونکہ کارپوریٹ ہیڈز کی مراعات ایڈیٹر کی مراعات سے کئی گنا زیادہ ہوتی ہیں۔

تنزلی کی وجہ کارپویٹ سسٹم ہو،سیٹھ کی ذہنیت یا سوشل میڈیا کی مقبولیت،پرنٹ میڈیا پر برا وقت آچکا ہے۔روزنامہ جنگ کی زبوں حالی کے علاوہ نوائے وقت ،اوصاف اور جہان پاکستان سمیت کئی اخباروں کی بدحالی کے بعد دنیا گروپ نے بھی اسی ڈگر پر پہلا قدم رکھ دیا ہے اور اس گروپ کا سب سے پہلا شکار کراچی اسٹیشن ہو چکا ہے۔زمانہ طالب علمی میں شعبہ ابلاغ عامہ کے چیئرمین استاذ الاساتذہ پروفیسر زکریا ساجد صاحب نے پہلے لیکچر میں بتایا تھا کہ کسی بھی اخبار کے استحکام کے لیے تین ستونوں کا مضبوط رہنا ضروری ہوتا ہے۔شعبہ ادارت (اصل)،سرکولیشن اور اشتہارات (سپورٹ)۔اب اگر دیکھا جائے تو جو جو اخبارات تنزلی کا شکار ہوئے تو اس کی بنیادی وجہ ایڈیٹوریل سائیڈ کی کمزوری نہیں تھی بلکہ سرکولیشن اور

21 ستمبر 2023۔ بے روزگاری کی شام

اشتہارات والی ٹیم کی نااہلی تھی جو براہ راست کارپوریٹ ہیڈ کے ماتحت کام کرتی ہے۔تاہم کارپوریٹ کلچر نے ہمیشہ مالکان کو یہی بتایا کہ مجلس ادارت کو برخاست کر دیا جائے تو ادارے کا سرمایہ محفوظ رہ سکتا ہے اور حیرت ہے کہ مالکان یہ عذر مان بھی لیتے ہیں اور کیوں نہ مانیں کیونکہ ان کا اپنا تعلق بھی کسی نہ کسی انڈسٹری سے ہوتا ہے اور انڈسٹری کی اندرونی سیاست میں یہی کچھ ہوتا ہے۔روزنامہ دنیا کراچی میں بھی کچھ ایسا ہی ہوا ہے۔صرف بیشتر ادارتی عملہ ہی فارغ کیا گیا ہے، مارکیٹنگ کا شعبہ برقرار ہے۔ہمیں اس بات کی خوشی ہے کہ عملے کے کچھ افراد کا روزگار بہرحال برقرار ہے۔

یہ 2012 کی پہلی سہ ماہی کی بات ہے جب دنیا میڈیا گروپ لاہور آفس نے کراچی سے اخبار جاری کرنے کے لیے ادارتی اور غیر ادارتی عملے کی بھرتیوں کا آغاز کیا تھا۔ابتدائی کارپوریٹ سیٹ اپ بننے کے بعد لاہور مرکز سے آنے والی ایک ٹیم نے کراچی میں اپنی پہلی بھرتیوں میں کراچی سے کچھ نامور صحافیوں کو اپنی ٹیم کا حصہ بنایا اور پھر ان کی مدد سے کراچی سے باقی ماندہ ادارتی اور غیر ادارتی عملے کو بھرتی کیا گیا۔ابتداء میں اخباری مالکان اور انتظامیہ کا رویہ اس کی مسلسل ترقی والا تھا تاہم وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ انتظامی سطح پر اخبار کی دیکھ بھال سے توجہ ہٹتی گئی اور پانچ سال کے دوران ادارے کو صرف سزا دینے والا ادارہ بنا دیا گیا،جزا کا جز ختم کر کے پوری ٹیم کا مورال دفن کر دیا گیا

اخبار کا زوال۔ادارتی عملہ نہیں۔مارکیٹنگ اسٹاف ذمہ دار

۔کورونا کی وباء نے مالکان اور انتظامیہ کے انسان دشمن رویہ کو تقویت دی اور سالانہ انکریمنٹ یا ترقی کا نظام ختم کر کے ایک ایک لفظ کی غلطی پر سب ایڈیٹرز پر جرمانے کی سزا کا خود ساختہ قانون نافذ کر دیا گیا۔اس خود ساختہ نظام کے ساتھ ساتھ پاکستان کے آئین میں درج ان مراعات کو بھی چھین لیا گیا جو اخباری کارکنوں کا حق ہوتا ہے۔جیسے سرکاری عام تعطیل کے بدلے رخصت یا اوور ٹائم ۔اس متبادل رخصت کے استحقاق کو چھیننے کی ذمہ داری اے پی این ایس کی پالیسی پر ڈال دی گئی حالانکہ اے پی این ایس کی اس پالیسی سے کوئی واسطہ نہیں ہے۔دلچسپ اور افسوس ناک بات یہ ہے کہ اس لیبر لاز کی اس سفاک خلاف ورزی کی توجہ جب برطرفی کے لیے آنے والی ٹیم کی جانب دلائی گئی تو تجاہل عارفانہ سے کام لیتے ہوئے کہا گیا کہ اچھا اگر اے پی این ایس کا ایسی کوئی پالیسی نہیں ہے تو ہم بھی چیک کر کے متبادل رخصت کا نظام بحال کر دیں گے۔

دیکھا جائے تو 21 ستمبر 2023 کی شام روزنامہ دنیا کراچی کے ایڈیٹوریل،پروڈکشن اور سرکولیشن اسٹاف کے لیے معاشی قتل کی شام ثابت ہوئی۔دنیا گروپ کی لاہور سے آنے والی ٹیم نے تمام رپورٹرز بشمول چیف رپورٹر،ایڈیٹر،سب ایڈیٹرز (سوائے نیوز ایڈیٹر اور کچھ صفحات کے انچارجز) سب کو فارغ کر دیا۔اس مہم جوئی کی وجہ مالی بحران بتائی گئی۔عملے کو تین ماہ کی ایڈوانس تنخواہ اور پراویڈنٹ فنڈ کے کراس چیک برطرفی کے پیانوں کے ساتھ تھما دیے گئے۔کچھ لوگ فکرات کے ساتھ اور کچھ باہمت لوگ مسکراتے ہوئے دفتر سے رخصت ہو گئے تاہم انتظامیہ کی جانب سے واجبات اور تین ماہ کی ایڈوانس تنخواہ (نوٹس پیریڈ سیلری) کی ادائیگی ایک ایسا مستحسن قدم ضرور ہے کہ جو ملازمین کو فوری مالی بحران سے بچا کر سنبھلنے کا موقع فراہم کرتا ہے۔

ادارے کے ایک سینئر سب ایڈیٹر محمد شکیل کا برطرفی کے ایک ماہ بعد کہنا تھا کہ ایڈوانس تنخواہ کی رقم شدید مہنگائی کی وجہ سے اڑوس پڑوس سے لیے گئے قرض کی ادائیگی کی نذر ہو چکی ہے۔اگر جلد متبادل ذریعہ روزگار نہ ملا تو مالی مسائل بڑھ سکتے ہیں۔

ایک سینئر ترین سب ایڈیٹر اور دانشور غلام مجتبٰی جواب اس دنیا میں نہیں رہے،شدید علالت کے باوجود نائٹ شفٹ میں انٹرنیشنل مانیٹرنگ ڈیسک پر نہایت محنت سے اپنی ڈیوٹی انجام دیا کرتے تھے۔ان کا کہنا تھا کہ وہ زندہ اس لیے ہیں کہ چل پھر رہے ہیں۔ان کی پوری تنخواہ اس ٹیکسی والے کے کرائے کی مد میں خرچ ہوتی تھی جو انہیں روزانہ گلستان جوہر سے پک اینڈ ڈراپ کی سہولت دیا کرتا تھا۔غلام مجتبٰی کی ضرورت تنخواہ سے زیادہ ''مصروفیت''تھی۔انتظامیہ کی یک جنبش قلم نے جب ان سے ان کی مصروفیت کا جواز چھینا تو زندگی نے ان سے زندہ رہنے کا حوصلہ بھی چھین لیا۔وہ کئی روز تک میمن اسپتال میں داخل رہے۔ان کے فرمانبردار بیٹے اور رشتے دار ان کی دیکھ بھال کرتے رہے لیکن آخر کار جسمانی اعضاء نے ایک ایک کر کے ساتھ دینا چھوڑ دیا۔

برطرف ملازمین کی بڑی تعداد تاحال بے روزگار ہے۔پرنٹ میڈیا سے تعلق رکھنے والے ادارے اب ٹیلنٹس کی تلاش میں سرگرداں نظر نہیں آتے۔کیونکہ ان کا تعلق کراس میڈیا سے ہے اس لیے انہیں اب ایسے انفلوئنسرز کی تلاش رہتی ہے جن کے سبسکرائبرز کی تعداد ملین میں ہو۔اب یہی انفلوئنسرز ہر سیاسی پارٹی،مذہبی جماعت اور اہم حساس اداروں کی آنکھ کا تارا

اخبار نویس ڈیجیٹل دنیا میں قدم رکھیں

ہیں۔برطرف کارکنوں کو میرا یہی مشورہ ہے کہ وہ بھی یوٹیوب کے ذریعے آنکھ کا تارا بننے کے لیے جدوجہد شروع کر دیں اور اگر یہ کام مشکل لگے تو ڈیجیٹل میڈیا مارکیٹنگ اور ای کامرس کے شعبوں کی تربیت حاصل کر کے اپنے لیے نئی دنیا تلاش کر لیں۔اس فیصلے کا فائدہ ان کی نسل کو بھی ہوگا۔کیونکہ موجود صحافیوں کی نسل اپنے اجداد کی حالت دیکھ کر پہلے ہی پریشان ہے۔

اس سارے عمل اور مالی بحران سے بچنے کے بہانے کے بعد ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ باقی ماندہ اسٹاف کی مراعات میں قدرے اضافہ کر دیا جاتا لیکن اطلاعات یہی ہیں کہ صورتحال ہنوز گھمبیر ہے۔جن صاحب کو انچارج ایڈیٹر بنایا گیا تھا انہوں نے مراعات میں اضافہ نہ کرنے پر دسمبر کے اوائل میں استعفٰی دے دیا ہے اور باقی پانچ سے دس افراد کی دفتری چائے بھی بند کر دی گئی ہے جو اس جانب اشارہ ہے کہ معاملہ مالی بحران کا نہیں بلکہ بدنیتی کا تھا یا شاہ سے بڑھ کر شاہ کی وفاداری کا۔

انا للہ وانا الیہ راجعون

❀❀❀

آگ سے بچاؤ کیسے۔؟

ملک کے سب سے بڑے صنعتی اور تجارتی مرکز کراچی میں 2023میں آگ لگنے کے بہت واقعات رُونما ہوئے۔ قیمتی جانیں بھی آگ کی نذر ہوئیں۔ ہم نے بہت سرگرم۔ بہت فعال کمانڈر نعیم یوسف سے فیس بک کے ذریعے رابطہ کیا۔ اور 'اطراف' کے لیے ایک تحریر کی فرمائش کی۔ تاکہ قارئین 'اطراف' با خبر ہوسکیں۔ اور آگ لگنے کے اسباب اور پھر آگ بجھانے کے اقدامات سے آگاہ ہوسکیں۔ پڑھئے اور اپنی رائے سے آگاہ کیجئے۔

آگ انسان کی دوست۔ دشمن کیوں بنتی ہے؟

تحریر: کمانڈر نعیم یوسف' ڈزاسٹر مینجمنٹ۔
سابق فائر چیف، بلدیہ عظمیٰ کراچی

کراچی میں 2023 میں آتشزدگی کے بہت زیادہ اور خوفناک واقعات رُونما ہوئے۔ 25نومبر 2023 ہفتے کے دن علی الصبح ''گلستان جوہر کراچی، راشد منہاس روڈ پر واقع آر جے شاپنگ مال میں خوفناک آگ بھڑک اٹھی جس کے نتیجے میں 11 افراد ہلاک اور متعدد زخمی ہوگئے، کروڑوں کی املاک تباہ ہوگئیں۔ اسی طرح 6 دسمبر 2023 بدھ کے دن کراچی کے باسیوں نے ایک اور خوفناک آگ دیکھی جو عائشہ منزل کراچی کے قریب عرشی شاپنگ مال میں شام کے وقت لگی جس کے نتیجے میں 4افراد ہلاک متعدد زخمی ہوگئے۔ درجنوں دکانیں، اردگرد کھڑے گاڑیاں اور متعدد موٹر سائیکلیں جل کر تباہ ہوگئیں اور کروڑوں مالیت کی دکانیں اور سامان جل کر تباہ ہوگیا اور بیسویں صدی کے اس دَور میں خوفناک آگ سے جانی و مالی تباہی کے ہم سب برابر کے ذمہ دار ہیں۔

آگ انسانوں کی غفلت اور لاپرواہی کی وجہ سے آنے والی ایک خوفناک آفت manmade disaster ہے۔ جو ہر وقت ہمارے آس پاس ہر گھر، ہر بلڈنگ، ہر دفتر' مل، فیکٹریوں میں، ہر قسم کی گاڑیوں میں کبھی چولہے، ماچس، موم بتی۔ لائٹر، گیس کے سلنڈر کی شکل میں کہیں بجلی کے بے ہنگم تاروں، بجلی سے چلنے والے آلات

آگ سے بچاؤ کے لیے تربیت کے مراحل

کی شکل میں، کہیں گاڑیوں میں پیٹرول کی شکل میں تو کہیں سی این جی گیس سلنڈرز' LPG گیس سلنڈرز کی شکل میں تو کہیں آگ لگانے والے مقامات پیٹرول، مٹی کا تیل، اسپرٹ، الکحل، ہر قسم کے تیل گریس چکنائیوں کی شکل میں موجود ہوتے ہیں۔

آگ انسان کی بہترین دوست ہے اور پورا نظام کائنات آگ اور حرارت کی وجہ سے ہی چل رہا ہے۔ آگ کی وجہ سے اس کائنات میں درجہ' حرارت کا توازن قائم ہے۔ کھیت کھلیان میں اناج اور پھل فروٹ پک رہے ہیں۔ گھروں میں کھانے پک رہے ہیں۔ مشینوں میں پیٹرول کے جلنے سے ساری صنعتیں کارخانے چل رہے ہیں۔ ساری مشینیں چل رہی ہیں سولر سسٹم چل رہا ہے۔ موٹر گاڑیاں،

آر جے شاپنگ مال۔ عرشی شاپنگ مال آتشزدگی کا ذمہ دار کون؟

ٹرینیں اور ہوائی جہاز اور بحری جہاز چل رہے ہیں۔ کائنات کا پہیہ آگ کی ہی وجہ سے رواں دواں ہے حد تو یہ ہے کہ ہم اگر زندہ ہیں تو جسم کی حرارت اور گرمی کی وجہ سے ہیں۔ ہماری ہر سانس حرارت ہی کی وجہ سے ہے۔ کہیں یہ آگ صرف اس وقت تک ہماری دوست ہے جب تک یہ ہمارے قابو میں ہے جس دن یہ آگ ہمارے قابو سے باہر ہوگئی اس وقت یہ بدتر دشمن ثابت ہوتی ہے یہ نہ کسی دوست کو دیکھتی ہے نہ دشمن کو۔ منٹوں میں اپنے سامنے آنے والی ہر چیز کو جلا کر راکھ کردیتی ہے برباد کردیتی ہے تو ہمیں اپنے آپ کو اپنے مال کو

عمارتیں۔ تعمیراتی ضابطوں کے مطابق نہیں بنائی جارہی ہیں

اس آفت سے ہر صورت بچانا ہے اور ہم اپنی جان و مال کو اس آفت سے بچاسکتے ہیں اور بہت خوبی کے ساتھ بچاسکتے ہیں بلکہ ہر قسم کی

آگ سے بچاؤ کیسے۔؟

قدرتی اور انسان کی وجہ سے آنے والی آفات Natural and manmade disaster سے اپنی جان و مال کو بچا سکتے ہیں لیکن اس کے لیے ہمیں ترقی یافتہ ممالک کی طرح ان تمام آفات، ان آفات کے آنے کا طریقہ کار اور ان سے بچاؤ کے علم Disaster Management کو نہ صرف سیکھنا ہوگا بلکہ اوروں تک بھی اس علم کو پہنچانا اور پھیلانا ہوگا۔

اب میں اپنے اصل موضوع آگ اور آگ سے بچاؤ کی طرف آتا ہوں۔ یوں تو کہیں بھی آگ لگنے کی پچاس سے زائد وجوہات ہیں لیکن میرے 35 سالہ عملی تجربے بحثیت کمانڈر ڈیزاسٹر منیجمنٹ اور فائر چیف کراچی کی بڑی وجوہات جو آگ لگنے اور آگ لگنے کے نتیجے میں آگ پھیلنے اور بڑے پیانے پر جانی اور مالی نقصان کا سبب بنتی ہیں یہ ہیں۔

سب سے پہلا اور بڑا سبب یہ ہے کہ جو بلڈنگیں بنائی جاتی ہیں وہ بلڈنگ کوڈز کے مطابق نہیں بنائی جاتیں بلڈنگ کوڈز ہمیں یہ بتاتے ہیں کہ بلڈنگ ایسی بنائی جاتیں جس میں ہر وقت کام کرنے والے افراد کی جان بہت آسانی سے بہت کم وقت میں بچائی جاسکے۔کسیقدرتی آفت یا انسانی آفت کی صورت میں!۔ بلڈنگ کوڈز میں ایک وقت میں موجود بلڈنگ کے اندر اپنے اور کام کرنے والوں کی بحفاظت کم سے کم وقت میں اس بلڈنگ سے باہر آسکیں اور اگر

کھڑے ہونے کی بجائے دھوئیں میں رینگ کر جان بچائیں

وہ بلڈنگ میں دھوئیں یا آگ میں پھنس گئے ہیں تو انہیں کم سے کم وقت میں ریسکیو کیا جاسکے۔

آگ لگنے کا دوسرا بڑا سبب یہ ہے کہ جو بلڈنگیں پہلے سے بنی ہوئی ہیں اور جو نئی بنائی جارہی ہیں ان میں فائر سیفٹی سے متعلق ایسے آلات نصب نہیں کیے جارہے جو آگ لگنے کے ابتدائی مرحلوں میں آپ کو الارم دے کر ہوشیار کرسکیں جیسے دھواں محسوس کر کے الارم دینے والے آلات جسے Smoke Detectors کہتے ہیں یا شعلے کی موجودگی کا پتہ دینے والے الارم جسے Flame Detectors کہتے ہیں یا آگ لگنے کی صورت میں پوری بلڈنگ میں کام کرنے والے افراد کو آگ کی اطلاع دینے والا مرکزی فائر الارم سسٹم Central Fire Alarm System کا نہ ہونا جسے سن کر سب لوگ جلد سے جلد اپنے آپ کو اس بلڈنگ سے دور لے جائیں جسے محفوظ انخلا Safe Evacuation کہا جاتا ہے۔

یہ بات یاد رہے کہ چھوٹی آگ سے بڑی آگ بننے تک صرف اور صرف 3 سے 5 منٹ کا ٹائم ہوتا ہے۔ اگر آگ چھوٹی بھی ہے تو 3 سے 5 منٹ میں اس بلڈنگ سے فوری طور پر باہر آنا بہت ضروری ہے ورنہ دھوئیں میں پھنس جانے کے بعد دم گھٹنے کے باعث suffocation سے ہلاکت ہوجاتی ہے۔

دنیا بھر میں ڈائریکٹ آگ یعنی شعلے سے ہلاک ہونے والوں کی تعداد صرف 15 فیصد ہے جبکہ زیادہ تر لوگ دھوئیں میں دم گھٹ کر بے ہوش ہوجانے اور پھر پھیپھڑوں میں دھواں بھرنے کی وجہ سے ہوتی ہے۔ دھوئیں کی یہ خاصیت ہوتی ہے کہ یہ ہوا سے ہلکا ہونے کے باعث زمین سے دو سے ڈھائی فٹ اوپر سے شروع ہوتا ہے

نئی پرانی بلڈنگوں میں آگ سے خبردار کرنے والے آلات نہیں ہیں

نیچے کی جگہ دھوئیں سے خالی ہوتی ہے اگر کمرے میں دھواں بھرنے کی صورت میں ہمیں اپنی جان بچانی پڑے تو اٹھ کر، کھڑے ہو کر بھاگنے کی بجائے فرش پر پیٹ کے بل لیٹ جائیں اور کہنیوں اور گھٹنوں کی مدد سے شیر خوار بچے کی طرح baby crawl کرتے ہوئے دروازے تک آئیں اور جب دھوئیں کی پہنچ سے باہر آجائیں تو بھاگ کر اپنی جان بچائیں۔

آگ پھیلنے کا بڑا سبب یہ ہے کہ بلڈنگوں میں آگ کو ابتدائی طور پر بجھانے کا کوئی انتظام نہیں ہے یعنی آگ بجھانے والے ابتدائی آلات جنہیں فائر ہائیڈرنٹ اور نہ آگ لگنے کی صورت میں خودکار طور پر پانی چھڑکنے والے آلات **Fire Sprinkles** موجود ہیں۔ نہ آگ کو ابتدائی طور پر فائر بریگیڈ ڈپارٹمنٹ کے فائر فائٹرز کے آنے سے پہلے آگ کو بجھانے کنٹرول رکھنے اور پھیلنے نہ دینے والی کوئی ٹیم یا سیکیورٹی کا تربیت یافتہ عملہ موجود ہے۔ دوسرے لفظوں میں، میں یہ کہوں گا کہ آگ لگنے اور پھیلنے کے بھرپور مواقع موجود ہیں۔

میں آپ سب کو یہ بات بتادوں کہ دنیا کے بڑے سے بڑے ترقی یافتہ ممالک میں بھی فائر بریگیڈ ڈپارٹمنٹ کے فائر فائٹرز اور گاڑیاں آپ کے پاس آگ لگنے کی صورت میں 10 منٹ سے پہلے نہیں پہنچ سکتیں اور غیر ترقی یافتہ یا ترقی پذیر ممالک کا تو کہنا ہی کیا۔ اب فائر بریگیڈ ڈپارٹمنٹ کے آنے سے پہلے کے 5 سے 10 منٹ بہت اہم ہیں آپ نے صرف ان 5 سے 10 منٹ تک ہی آگ کے نہ صرف پھیلاؤ کو روکنا ہے بلکہ آپ کے پاس ایسے آگ بجھانے والے ابتدائی آلات بھی ہونے چاہئیں جو اس چھوٹی آگ کو بجھا سکیں۔ میں یہاں آپ کو ایک بات اور سمجھا تا ہوں کہ خدانخواستہ اگر آپ

تمام بلڈنگوں کا جائزہ لے کر فوری انتظامات کیے جائیں

کے گھر یا دفتر میں آگ لگ گئی اور آپ کے پاس اس چھوٹی آگ کو بجھانے کے لیے آگ کو ابتدائی طور پر بجھانے والا فائر ایکسٹنگوشر Fire Exitinguisher موجود ہے تو آپ اس چھوٹی آگ کو اس ایک فائر ایکسٹنگوشر سے چند سیکنڈ میں آسانی بجھا سکتے ہیں لیکن اگر آپ کے پاس نہ تو یہ آلہ ہے اور نہ آپ کو یہ آلہ چلانا آتا ہے تو یہ چھوٹی آگ اگر آپ نہیں بجھا سکے اور وہ ابتدائی وقت ہاتھ سے نکل گیا تو پھر فائر بریگیڈ ڈپارٹمنٹ کی آگ بجھانے والی سینکڑوں گاڑیاں ہی کئی گھنٹے اور کئی دن بعد اس پر قابو پاسکیں گی لیکن اس وقت تک بہت سارا جانی اور مالی نقصان ہو چکا ہوگا۔

آگ سے بچنے کے لیے اور لوگوں کی اس خوفناک آفت سے جان بچانے کے لیے حکومت میں موجود تمام ذمہ دار اداروں کو ملک میں موجود ہر قسم کی بلڈنگوں ۔ تجارتی مراکز۔ صنعتی یونٹس۔ کثیر المنزلہ عمارات۔ ایجوکیشن سینٹرز۔ یونیورسٹیز۔ ہاسپٹل۔ شاپنگ پلازہ کا آج ہی سروے کرکے سیفٹی آڈٹ کرکے انہیں بلڈنگ کوڈز آف پاکستان 2016 کے مطابق نہ صرف عمل کرنے کی ہدایت کریں بلکہ قانونی طور پر انہیں اس کا پابند کریں اور عمل نہ کرنے کی صورت میں سخت تادیبی کارروائی کی جائے۔ اس کے ساتھ ساتھ جو بلڈنگ مالکان ہیں جو شاپنگ پلازہ اور فیکٹری مالکان ہیں ان سب کو اپنی، اپنے اسٹاف کی جان کی خاطر اپنی بلڈنگوں میں خود رضاکارانہ طور پر آگ لگنے اور دوسری ایمرجنسی کی صورت میں لوگوں کے فوری اور

بحفاظت انخلاء کے لیے ایمرجنسی سیڑھیاں Emergency Exits جو اور دو سے زیادہ اور بلڈنگ کے باہر کی جانب ایمرجنسی سیڑھیاں ضرور لگائیں۔ فائر سیفٹی۔ فائر فائٹنگ کے آلات لگائیں۔ آگ بجھانے والا تربیت یافتہ عملہ رکھیں تاکہ حکومت کی طرف سے ذمہ دار اداروں فائر اینڈ ریسکیو سروس آنے تک لوگوں کی جان بچاسکیں۔

فائر سیفٹی اور فائر فائٹنگ بہت بڑا موضوع ہے اور اس پر کئی آرٹیکل اور کتابیں لکھی جاسکتی ہیں اور انشاء اللہ آگ اور دیگر قدرتی آفات اور ان سے بچاؤ کا یہ سلسلہ جاری رہے گا لیکن شرط یہ ہے کہ آپ اپنی اپنے اہل خانہ اور اسٹاف کی جان کی حفاظت کے لیے آفات سے بچاؤ کے Disaster Management کے اس سلسلے کو جاری و ساری رکھنے میں اور اسے زیادہ سے زیادہ لوگوں میں بانٹنے میں ہماری مدد کریں تاکہ کسی حادثے میں گھر سے کسی شخص کی جان بچائی جاسکے۔ سورۃ مائدہ میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ ''جس نے بچائی ایک جان اس نے گویا پوری انسانیت کو بچالیا۔'' ۞

حیدر آباد۔ دریائے سندھ کے کنارے تاریخی شہر۔ ثقافت۔ تہذیب۔ ادب۔ لوک کہانیوں سے مالا مال۔ ہم پروفیسر حسن راشد کے ممنون ہیں کہ انہوں نے اپنے اس انتہائی اہم تحقیقی مضمون کے لیے 'اطراف' کے صفحات کا انتخاب کیا۔ بہت دل نشیں انداز میں گہری محبت سے لکھا گیا یہ مقالہ اب اپنے اختتام کو پہنچا۔ آپ کو کیسا لگا۔ اپنی رائے سے نوازیں۔

میر رسول بخش تالپور۔ نواب مظفر حسین۔ سید وصی مظہر ندوی۔ سید احد یوسف کی یادیں

☆تحریر: پروفیسر حسن راشد

ذوالفقار علی بھٹو نے اکتوبر ۱۹۶۷ء میں حیدرآباد میں اعلان کیا تھا کہ وہ آئندہ ماہ (نومبر میں) لاہور میں پیپلز پارٹی کی بنیاد رکھیں گے یہ اعلان ٹنڈو میر محمود میں میر علی احمد خان تالپور کی رہائش گاہ پر کیا تھا۔ علی احمد خان تالپور (۱۹۸۷۔۱۹۱۶ء) حیدرآباد کی سیاست وشرافت کا اس قدر معتبر نام تھا کہ شاید ہی کوئی قابل ذکر شخصیت ایسی ہو جس نے انھیں شرف میزبانی نہ بخشا ہو۔ بھٹو اختلافات کے بعد ضیاء الحق کابینہ میں وفاقی وزیر بھی رہے۔ آج بھی اِس خاندان کی ماضی کے برعکس کم سہی بہرحال اہمیت ہے۔

کیول رام رتن ملکانی (۲۰۰۳۔۱۹۲۱ء) جنھیں مختصراً کے آر ملکانی کہا جاتا ہے۔ تقسیم ہند کے نتیجے میں بھارت چلے گئے۔ ''دی سندھ اسٹوری، سیاسی بھول بھلیاں، انڈیا ٹرسٹ، ایودھیا کی سیاست میں ہندو مسلم کردار'' کے عنوان سے کتب تصنیف کیں اور پانڈیچری صوبے کے لیفٹیننٹ گورنر بھی رہے۔

میر رسول بخش تالپور (۱۹۸۲۔۱۹۲۹ء) حیدرآباد سے تھے، سینئر صوبائی وزیر اور گورنر سندھ بھی رہے ہیں۔

نواب مظفر حسین (۱۹۸۰-۱۹۲۱ء) مہاجر تھے۔ سیاسی اتحادوں کے ذریعے بھرپور سیاست کی، کونسلر اور رکن صوبائی اسمبلی رہے ہیں۔

مولانا سید وصی مظہر ندوی مرحوم لکھنؤ کے تھے، ندوۃ العلماء لکھنؤ سے فارغ التحصیل سے تھے، قیام پاکستان کے بعد ہجرت کر کے حیدرآباد آئے۔ اسی شہر نے انھیں علمی، ادبی، مذہبی اور سیاسی شخصیت کا اعزاز بخشا، قیام پاکستان سے قبل ہی سے جماعت اسلامی سے وابستہ تھے، حیدرآباد میں مختلف حیثیتوں میں ذمہ داری نبھائیں، اختلافات کے سبب جماعت اسلامی کو خیرباد کہا۔ حیدرآباد سے رکن قومی اسمبلی، حیدرآباد کے پہلے میئر اور وفاقی وزیر مذہبی امور رہے اور اخیر عمر میں اپنے صاحبزادے کے پاس کینیڈا رہے اور وہی انتقال کیا۔

رسول بخش پلیجو کی سیاست کا مرکز بھی حیدرآباد

سید احد یوسف مرحوم ایک نیک شخصیت تھی، حیدرآباد کے دوسرے میئر تھے۔ وزیر تعلیم بھی بنے۔ فلاحی کاموں کے حوالے سے مشہور تھے ان کا دور ایک مثالی دور تھا۔

میاں محمد شوکت مرحوم جماعت اسلامی حیدرآباد کے امیر اور رکن قومی اسمبلی تھے بلا امتیاز عوامی خدمت اِن کی پہچان تھی۔ ملک کے معروف صحافی مجیب الرحمٰن شامی کے سسر تھے۔ لسانی تنظیم کے دور میں جب دفتر جماعت اسلامی پر مسلح حملہ ہوا، اس سے خوف کی فضا مزید طاری ہوگئی جس پر انھوں نے مسلح جلوس نکالنے کا اعلان کیا اور انتظامیہ کی دوڑیں لگ گئیں، مسلح جلوس نکلا جس سے شہر کی فضا پر قائم خوف ودہشت چھٹ گئی اور کاروبار زندگی ڈگر پر آگیا۔ اس جلوس میں برائے نام ہی اسلحہ تھا اور جو تھا وہ لائسنس شدہ تھا، البتہ انتظامیہ نے مقدمہ قائم کردیا۔

حیدرآباد زبان ثقافت ادب تحقیق کے لیے یادگار

صاحبزادہ ابوالخیر محمد زبیر آج کل جمعیت علماء پاکستان (نورانی) اور ملی یکجہتی کونسل کے سربراہ ہیں متحدہ مجلس عمل کے پلیٹ فارم سے رکن قومی اسمبلی منتخب ہوچکے ہیں دینی وسیاسی لحاظ سے اِنھیں اہمیت دی جاتی ہے۔

رسول بخش پلیجو قوم پرست سیاست کا ایک معتبر نام، قومی عوامی تحریک کے سربراہ اور بائیں بازو فکر کے اہم دانشور تھے ۔قاسم آباد حیدرآباد میں رہائش پذیر تھے اور حیدرآباد ہی ان کی سیاست کا مرکز تھا۔

ڈاکٹر قادر مگسی بھی قوم پرست رہنما اور سندھ ترقی پسند پارٹی کے چیئرمین ہیں قاسم آباد حیدرآباد میں رہائش پذیر ہیں اور سیاسی حوالے سے حیدرآباد مستقل گڑھ ہے۔

ایاز لطیف پلیجو ایک اچھے وکیل، جناح لا کالج کے پرنسپل اور رسول بخش پلیجو کے بیٹے ہیں باپ سے سیاسی اختلافات کے سبب ایک اور قوم پرست پارٹی کھڑی کی تھی۔

آفتاب احمد شیخ کامیاب وکیل تھے۔ایم کیو ایم کے اہم رہنماؤں سے تھے۔رکن قومی اسمبلی، سینیٹر اور حیدرآباد کے میئر رہے ہیں۔

عبدالوحید قریشی جماعت اسلامی کے صوبائی رہنما اور سابق ایم پی اے ہیں، عہد نوجوانی سے اِس پیرانہ سالی تک مسلسل کام میں مصروف ہیں، عوامی سطح کے لیڈر ہیں خوشی وغمی ہر تقریب میں موجود ہوتے ہیں یہ لوگوں کو اپنا اور لوگ اِنھیں اپنا سمجھتے ہیں، مختلف مکتب فکر، قومی وعلاقائی سیاسی جماعتوں میں انھیں عزت واحترام کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔

علمی و تعلیمی شخصیات

قیام پاکستان کے بعد حیدرآباد کا شمار ملک کے سرفہرست تعلیمی معیار کے حامل شہروں میں ہوتا تھا اور یہ سب کچھ علمی و تعلیمی شخصیات کی بدولت تھا حیدرآباد کی اِن شخصیات کو ہم دو حصوں میں دیکھ سکتے ہیں ایک وہ جو بیرون حیدرآباد پیدا ہوئے اور اس شہر کی خدمت کی اور دوسری شخصیات ہیں جو یہیں پیدا ہوئے اور اسی شہر کے لیے کام کیا۔اول الذکر میں بیشتر قیام پاکستان سے قبل کے ہیں اور موخر الذکر میں بیشتر قیام پاکستان کے بعد کے ہیں۔جن شخصیات نے علمی و تعلیمی میدان میں نام کمایا ہے وہ یہ ہیں: حسن علی آفندی، شمس العلماء مرزا قلیچ بیگ، ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان مرحوم، ڈاکٹر نبی بخش بلوچ، ڈاکٹر الیاس عشقی، علامہ غلام مصطفیٰ قاسمی، سراج الحق میمن، پروفیسر غلام علی الانہ، پروفیسر خالد وہاب، پروفیسر ادریس قائم خانی، پروفیسر انوار احمد زئی، سید مشتاق علی کاظمی، عبدالحمید سندھی، سید افتخار علی کاظمی، ڈاکٹر ناصر الدین شیخ، سید اعجاز شاہ، ناظم علی خان ماتکوی شامل ہیں۔

حیدرآباد زبان ثقافت ادب تحقیق کے لیے یادگار

ڈاکٹر نجم الاسلام مرحوم، مولانا وصی مظہر ندوی، پروفیسر عنایت علی خان ٹونکی، پروفیسر سید قوی احمد مرحوم، آپا شمس عباسی بھی تعلیمی سرگرمیوں میں تمام عمر مصروف رہے ہیں۔ان کا شمار اچھے اساتذہ میں ہوتا ہے۔

علامہ امداد علی قاضی (۱۸۸۶ء۔۱۹۶۸ء) جنھیں آئی آئی قاضی کے نام سے جانا جاتا ہے ایک علمی وادبی گھرانے کے فردِ فرید تھے اور اسی میدان میں نمایاں تر ہوئے۔ان کی جرمن اہلیہ ایلسا قاضی بھی ادیب اور شاعرہ تھیں۔انگریز دور میں اعزازی مجسٹریٹ، بعدازاں سیشن جج اور جامعۂ سندھ کے وائس چانسلر رہے ہیں ان کے خطوط اور انگریزی کتب خاصے کی چیز ہیں۔

حسن علی آفندی (۱۸۹۵۔۱۸۳۰ء) نے قیام پاکستان سے قبل تعلیمی اور عوامی خدمات کے مثالی کام کیے۔حیدرآباد میں اِن سے موسوم ایک علاقہ ''آفندی ٹاؤن'' ہے یہاں یادگار مسجد کے ملحق ان کا مرقد بھی ہے۔

شمس العلماء مرزا قلیچ بیگ (۱۸۵۵۔۱۹۲۹ء) حیدرآباد کی وہ علمی وادبی شخصیت ہیں جو قیام پاکستان سے قبل تھیں ان کے نام سے مختلف ادارے موسوم ہیں۔

ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خانؒ (۲۰۰۵۔۱۹۱۲ء) ایک ہمہ جہت شخصیت کے مالک تھے۔ذریعہ معاش کے لیے درس وتدریس سے وابستہ رہے ہیں۔وہ جامعۂ سندھ کے پروفیسر ایمریطس اور شعبۂ اردو کے صدر بھی رہے ہیں۔ان کے شاگردوں میں ڈاکٹر جمیل جالبی، ابن انشا، ڈاکٹر نجم الاسلام ودیگر نمایاں شخصیات شامل ہیں۔ان کی شخصیت کو دیکھا جائے تو علمی، ادبی، روحانی تین نمایاں پہلو سامنے آتے ہیں۔

ڈاکٹر نبی بخش بلوچ(1911-1917) معلم، محقق، ادیب، دانشور تھے، وہ ایک ایسی علمی اور ادبی شخصیت تھے جن سے صوبائی اور وفاقی حکومتوں نے استفادہ کیا، متعدد کتب تصنیف کیں۔جامعۂ سندھ اور جامعۂ اسلامیہ اسلام آباد کے وائس چانسلر رہے ان کی خدمات کے اعتراف میں حکومت نے انھیں ''ستارۂ امتیاز'' عطا کیا۔

ڈاکٹر الیاس عشقی (1907 - 2007) پیشے کے لحاظ سے ریڈیو سے وابستہ تھے۔اردو، سندھی، پنجابی، فارسی، سرائیکی، ہندی، مارواڑی اور انگریزی زبان کے شناور اور شاعر تھے۔شاہ عبداللطیف بھٹائی کے کلام کا اردو ترجمہ، فارسی میں تصنیف ''شعر آشوب''، ہندی صنف شاعری پر دوہوں کا مجموعہ ''دوہا ہزاری'' شعری مجموعہ ''گنبد بے در'' اور نثر میں ''آواز لطیف'' تصانیف ہیں۔خود بھی پی ایچ ڈی تھے اور ان پر ڈاکٹر عبدالسلام عادل نے پی ایچ ڈی کی ہے ان کی علمی وادبی خدمات کے اعتراف پر حکومت نے ستارہ امتیاز عطا کیا ہے۔

علامہ غلام مصطفیٰ قاسمی (۲۰۰۳۔۱۹۲۴ء) سندھی زبان وادب کے معروف ادیب تھے اردو، عربی اور فارسی پر بھی دسترس حاصل تھی، دودرجن کتب کے مصنف ہیں۔شاہ ولی اللہ اکیڈمی حیدرآباد کے ڈائریکٹر، سندھی ادبی بورڈ حیدرآباد کے چیئرمین اور جامعہ سندھ کے پروفیسر رہے ہیں ان کی خدمات پر جامعہ میں علامہ غلام مصطفیٰ قاسمی چیئر قائم کی گئی ہے۔

سراج الحق میمن (پ:۱۹۳۳ء) سندھی زبان وادب کے لکھاری، ناول نگار، ماہر لسانیات، ہلال پاکستان کے ایڈیٹر تھے۔''سندھ کی اقتصادی حالت''، ''سندھی بولی تحقیق''، ''میری دنیا ہیکل دیاکل''، ''پراڈوسوئی سڈ'' اور ''رمن مون سیں آؤں'' قابل ذکر تصانیف ہیں۔

پروفیسر غلام علی الانہ (۔۱۹۳۵ء) بھی سندھی زبان کے ایک اہم ادیب ومحقق گزرے ہیں۔سندھ یونی ورسٹی جام شورو اور علامہ اقبال اوپن یونی ورسٹی اسلام آباد کے وائس چانسلر اور سندھی لینگویج اتھارٹی کے چیئرمین رہے ہیں سندھی زبان میں کئی کتب تصنیف کی ہیں۔

پروفیسر ادریس قائم خانی مرحوم (۲۰۱۸ء۔۱۹۴۰ء) گورنمنٹ کالج کے پرنسپل، ڈائریکٹر کالج ایجوکیشن حیدرآباد اور ریٹائرڈمنٹ کے بعد کاؤنٹی گرلز کالج کے پرنسپل، پبلک اسکول کے بورڈ آف گورنر کے رکن سمیت متعدد حیثیتوں میں کام کیا۔ان کی شناخت کا غالب پہلو انتظامی کے بجائے تدریس تھا اور شعبۂ خاص طبیعیات تھا، یہ فجر کے بعد گھر سے پڑھانے شروع کرتے، کالج اور کالج کے بعد بھی یہی اسی میں لگے رہتے، ان کے پڑھانے کا انداز ایسا تھا کہ کلاس میں تِل دھرنے کی جگہ نہیں ہوتی تھی۔

پروفیسر انوار احمد زئی (۲۰۲۰۔۱۹۴۴ء) ادبی اور انتظامی شخصیت تھے ادب میں افسانہ نگاری اِن کا میدان خاص تھا انھوں نے میرپور خاص، کراچی میٹرک اور انٹر بورڈ کے سابق چیئرمین، سابق ایڈیشنل سیکریٹری تعلیم کی حیثیت سے اپنی صلاحیتوں کے جوہر دکھائے۔

سید مشتاق علی کاظمی (۲۰۲۳-۱۹۳۸ء) فکری لحاظ سے جماعت اسلامی سے وابستہ ہیں اور جماعت اسلامی کے قائم کردہ الفلاح ہائرسیکنڈری لطیف آباد کے پرنسپل ہیں، اپنے قیام کے وقت یہ لطیف آباد کا واحد نجی اسکول تھا، نفع اور نقصان سے بالاتر ہوکر اسکول نے معیاری تعلیم فراہم کی ہے۔سید مشتاق علی کاظمی نے اپنی ساری زندگی تعلیم کے لیے وقف کی ہے اور آج پیرانہ سالی اور بیماری کے ساتھ ۸۵ سال کی عمر میں بھی یہی دھن سوار ہے۔

عبدالحمید سندھی (۲۰۲۰۔۱۹۳۹ء) سندھی میمن تھے، مانچسٹر انگلستان سے اعلیٰ تعلیم حاصل کی اور علمی وادبی اداروں کے اعلیٰ عہدوں پر تعینات رہے ان میں رجسٹرار جامعۂ سندھ، ڈائریکٹر کالجز حیدرآباد ریجن، ایڈیشنل ڈائریکٹر سندھیالوجی، پرنسپل پبلک اسکول، وائس چانسلر جامعۂ زرعیہ

ٹنڈو جام، وائس چانسلر جامعۂ شاہ لطیف خیر پور، ڈائریکٹر کریکیولم، چیئرمین سندھ ٹیکسٹ بک بورڈ جام شورو اور سندھی لینگوئج اتھارٹی حیدرآباد شامل ہیں کئی کتب تصنیف کی اعلیٰ خدمات کے اعتراف میں تمغۂ امتیاز اور اعزاز فضیلت حاصل کیا۔

سید افتخار علی کاظمی (پ:۱۹۴۰ء) سید مشاق علی کاظمی کے چھوٹے بھائی ہیں اُنھوں نے لطیف آباد میں تعلیمی شعبے میں کام کیا اور اِنھوں نے شہر میں تعلیمی ماحول میں بنیادی کردار ادا کیا ہے۔ سید افتخار علی کاظمی نے گورنمنٹ سیٹھ کمال الدین ہائی اسکول ایک مثالی تعلیمی ادارہ بنایا، دو کیمپس قائم کیے، ریٹائرڈمنٹ کے وقت دو ہزار طلبہ چھوڑ کر گئے، اسکول کے معیارِ تعلیم کے سبب یہاں سے فارغ التحصیل طلبہ اعلیٰ تعلیم سمیت ہر شعبہ میں اعلیٰ کارکردگی کا مظاہرہ کرتے رہے ہیں۔ ریٹائرمنٹ کے بعد الحرا کے نام سے اسکول قائم کیا تو سلسلہ پانچ کیمپس تک پہنچ گیا اِن کا اُصول فروغ علم وعمل ہے تجارت ہرگز نہیں۔

اس شہر نے نامور ماہرین قانون کو بھی متعارف کروایا

سید اعجاز شاہ بیوروکریٹ ہیں لیکن خدمتِ خلق کا جذبہ رکھتے ہیں انھوں نے کئی عشروں سے لطیف آباد میں ایک سینٹر قائم کیا ہوا ہے جہاں طلبہ وطالبات کو سی ایس ایس سمیت ہر قسم کی ملازمتوں کے لیے مقابلے کے امتحانات کی تیاری کرائی جاتی ہے، کلاسوں کے اوقات مقرر ہیں، البتہ 24 گھنٹے یہاں پڑھنے، کھانے اور رہنے کی مفت سہولت دستیاب ہے۔ ماہانہ چند روپے علامتی فیس ضرور مقرر ہے کوئی دے تو لے لیتے ہیں حتیٰ کہ بیرون شہر امتحان کے لیے جانے والے امیدواروں کے لیے بھی اپنی جیب سے خرچہ کردیتے ہیں۔

پروفیسر ڈاکٹر ناصر الدین شیخ (پ:۱۹۶۳ء) حیدرآباد کی پہلی پبلک جامعہ گورنمنٹ کالج یونی ورسٹی حیدرآباد کے بانی وائس چانسلر ہیں، ڈاکٹر ناصر نے اسی مادرِ علمی سے تعلیم حاصل کی اور اعلیٰ تعلیم کے برطانیہ کی اسکالرشپ حاصل کی اور یہیں اپنی خدمات انجام دیتے ہوئے کالج کو یونی ورسٹی کا درجہ دلایا اور اس کے لیے اپنے مالی وسائل بھی خرچ کیے، اسی دوڑ دھوپ میں اپنے ریسرچ آرٹیکلز کی طرف توجہ نہ دے سکے اور ذاتی طور پر نقصان برداشت کیا۔ ڈاکٹر ناصر ایک علمی خاندان کے فرد ہیں، ان کے والد ماسٹر قمر الدین شیخ مرحوم اور بھائی ظہیر الدین شیخ کی تعلیمی شعبے میں خدمات ہیں۔

ناظم علی خان ماتکوی (پ:۱۹۴۴ء) بنیادی طور پر ماہرِ لسانیات، ماہرِ درسیات اور ماہرِ نصابیات ہیں ان کے والد مولوی امداد علی خاں علی گڑھ میں درس وتدریس سے وابستہ تھے بڑے بھائی عابد علی خاں اور ظافر تشنہ بھی معلم تھے۔ ناظم علی خان ماتکوی اپنے عملی سفر کا آغاز پرائمری کے استاد کی حیثیت سے کیا، سرکاری کالج میں لیکچرر، سندھ ٹیکسٹ بورڈ میں ماہرِ مضمون، آغا خان بورڈ میں ناظم امتحانات، پنجاب کالج کے پرنسپل، جامعۂ سندھ میں وزیٹنگ فیکلٹی اور یونیسکو کے سندھ میں تعلیمی مشیر رہے ہیں۔ علمی و تعلیمی سرگرمیوں میں ہمہ تن مصروف رہتے ہیں ان کا تصنیفی و تحقیقی کام فی الحال یکجا نہیں ہے۔

شعرا وادبا

حیدرآباد ایک مردم خیز خطہ ہے یہاں سے نامور شعرا وادبا نے جنم لیا ہے۔ زمانی ترتیب سے شعرا، نثر نگاروں اور محققین وناقدین کے اسمائے گرامی ملاحظہ کیجیے:

صبا اکبرآبادی (۱۹۰۸ـ۱۹۹۱ء)، بابو رفیق ریواڑوی (۱۹۱۷ـ۱۹۸۶ء) اختر انصاری اکبر آبادی (۱۹۲۰ـ۱۹۸۵ء)، حضور احمد سلیم (۱۹۲۲ـ۲۰۰۴ء)، استاد واجد سعیدی (م:۲۰۰۶ء) برگ یوسفی (۱۹۲۴ء ـ۱۹۹۴ء) حمایت علی شاعر (۱۹۲۶ءـ)، ارتضا عزمی (۱۹۳۰ـ۲۰۰۰ء)، قابل اجمیری (۱۹۳۱ـ۱۹۶۲ء)، محسن بھوپالی (۱۹۳۲ـ۲۰۰۷ء)، پروفیسر عنایت علی خان ٹونکی (۱۹۳۵ـ۲۰۲۰ء)، خلش مظفر نگری (م:۲۰۱۲ء)، فہمیدہ ریاض (۱۹۴۵ـ۲۰۱۸ء)، پروفیسر حبیب ارشد (۱۹۴۵ـ۲۰۲۰ء)، حمید سندھی، ریحان بنارسی (م:۲۰۲۱ء)، وحید دانش (پ:۱۹۶۳ء) شوکت نوید (۱۹۵۷ء)، حکیم ناصف ودیگر شامل ہیں۔

ناظر علی خاں ٹونکی کے فرزند پروفیسر عنایت علی خاں ٹونکی ریاست ٹونک راجھستان کے تھے قیام پاکستان کے بعد ہجرت کر کے حیدرآباد آبسے، درس وتدریس ذریعہ معاش تھا۔ درس وتدریس، شاعری، دروس قرآن واحادیث اور کالم نگار تھے۔ اِن کی شناخت کا غالب پہلو شاعری ہے گوکہ شاعری میں بچوں کی نظمیں، مزاحیہ شاعری، شہر آشوب، دینی وقومی نظمیں، نعت نگاری میں طبع آزمائی کی اور کامیاب بھی رہے لیکن شہرت انھیں طنزیہ ومزاحیہ شاعری میں ملی اور بین الاقوامی مشاعروں میں شہر وملک کا نام روشن کیا۔

نثر نگاروں میں محمد عثمان ڈیپلائی (پ:۱۹۰۸ء)، سلطان جمیل نسیم، ڈاکٹر عبدالحق حسرت کاس گنجوی، انوار احمد زئی فخر الدین کیفی، محمود صدیقی (پ:۱۹۳۷ء)، شبیر احمد تابش مرحوم، عشرت علی خان، خلیل جبار، ذوالفقار علی بھٹی، نعیم الرحمٰن جوہر، پروفیسر مسعود الرحمٰن، پروفیسر وثیق الرحمان، قاضی خادم، تقی راجپوت تقی، بریگیڈیئر ریٹائرڈ عامر زاہد، غلام اصغر بھٹی، نمایاں نام ہیں۔ خلیل جبار بنیادی طور پر کہانی کار اور بچوں کے ادیب ہیں ان کی تصانیف کی تعداد دوسو سے زائد ہیں، ذوالفقار علی بھٹی بھی دوسو سے زائد کتب کے مصنف ہیں ان تصانیف میں اردو، سندھی اور انگریزی کی درسی وغیر تدریسی کتب شامل ہیں۔

محققین میں ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں، ڈاکٹر احسن فاروقی (۱۹۱۳ـ۱۹۷۸ء)، ڈاکٹر نجم الاسلام، ڈاکٹر نبی بخش بلوچ، پروفیسر مرزا سلیم بیگ، ڈاکٹر عتیق احمد جیلانی، ڈاکٹر رفیق احمد خان، ڈاکٹر سید جاوید اقبال، ڈاکٹر شاہ انجم بخاری، پروفیسر ناظم علی خان ماتکوی ودیگر قابل ذکر ہیں۔

ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں ایک ہمہ جہت شخصیت کے مالک تھے ان کی شخصیت کا ایک پہلو محقق کا ہے اردو تحقیق انھوں نے گراں قدر کام کیا ہے۔ ڈاکٹر احسن فاروقی لکھنوی تھے، حیدرآباد آئے، جامعۂ سندھ اور بعدازاں جامعۂ کوئٹہ میں تدریسی فرائض انجام دیے۔ ناول اور تنقیدی کتب سمیت کئی کتب تصنیف کی ہیں تنقید نگاری اِن کا میدانِ خاص ہے۔ ڈاکٹر نجم الاسلام مرحوم شعبہ اردو جامعۂ سندھ کے پروفیسر اور صدرِ شعبہ کی حیثیت سے سبکدوش ہوئے، ابتداء میں شاعری بھی کی لیکن جلد ہی اِس سَمت سے لوٹ آئے اور تحقیق کے لیے وقف کردیا، اِن کے وقیع نوعیت کے کئی تحقیقی کام منصۂ شہود پر محققین سے خراجِ تحسین حاصل کرچکے ہیں۔ جامعۂ سندھ سے اردو تحقیقی نوعیت کا مجلّہ ”تحقیق“ اُنھی کی زیرِ ادارت نکلتا تھا۔ انھیں ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاںؒ کے شاگردِ رشید کہا جائے تو بیجا نہ ہوگا۔ دیگر شخصیات بھی تحقیقی میدان کی ہیں ہنوز سلسلہ جاری ہے۔

یہ صرف چند نام پیش کیے گئے ہیں ورنہ ایک طویل فہرست ہے جن کا تذکرہ طوالت کا متقاضی ہے۔

وکلا

حیدرآباد کے جن وکلانے وکالت میں نام کمایاان میں سرغلام حسین ہدایت اللہ، نور محمد، آفتاب احمد شیخ، انورظہیر جمالی، قریشی نمایاں رہے ہیں۔سرغلام حسین ہدایت اللہ (۱۸۷۸۔۱۹۴۸ء) نے اپنی عملی زندگی کا آغاز حیدرآباد سے کیا۔ سندھ کے پہلے مسلم گورنراور بعدازاں وزیراعلیٰ سندھ بھی رہے ہیں آپ کی خدمات کے اعتراف میں گورنمنٹ غلام حسین ہدایت اللہ ہائرسیکنڈری پکے قلعے پر قائم کیا گیا ہے۔نور محمد قیام پاکستان سے قبل کی شخصیت ہیں ایک نامی گرامی وکیل تھے ان کے نام پر نور محمد ہائی اسکول بالمقابل مارکیٹ اورسول اسپتال کے درمیان واقع ہے۔آفتاب احمد شیخ نے ایم کیوام کے پلیٹ فارم سے میئر، رکن قومی اسمبلی اور سینیٹر رہے ہیں ایک کامیاب وکیل تھے آپ نے ۱۹۶۳ء میں جناح لاکالج قائم کیااور آغاز سے وفات تک اس کے پرنسپل رہے ۔ غلام ربانی قریشی ایڈوکیٹ سندھی اسپیکنگ قریشی ہیں جب پرویزمشرف نے آئین معطل کرکے ایمرجنسی نافذ کی عدالتِ عظمیٰ کے ان ججوں کو معزول کردیا جنھوں نے پی سی او کے تحت حلف نہیں اٹھایا تھا جسٹس غلام ربانی بھی انھی میں شامل تھے۔ انورظہیر جمالی (بلوچی ذات جمالی نہیں) حیدرآباد کے اردو اسپیکنگ ہیں عدالت عظمیٰ کے ۲۴ویں قاضی القضاۃ رہ چکے ہیں۔

حیدرآباد کے کتنے صحافی عالمی افق پر چمکے

صحافی

حیدرآباد کے صحافیوں میں قاضی محمد اکبر، غلام محمد گرامی ، قاضی اسد عابد، ادریس بختیار، شبیر احمد تابش، الیاس شاکر، محمد علی خالد، ملک عزیز اللہ، نصرت مرزا، ظہیر عباس، ظفر عباس، اختر علی شاہ، اقبال حامد، عثمان اجمیری، مختار عاقل، علی حسن، ظہیر احمد ، عطا محمد تبسم ، عبدالحفیظ عابد، محمد شاہد شیخ، اختر علی اختر، یعقوب رشید نمایاں نام ہیں۔

قاضی محمد اکبر (۱۹۷۹۔۱۹۱۰ء) ہمہ جہت شخصیت کے مالک تھے صحافت میں نام کمایااور سندھی زبان کا معروف اخبار روزنامہ عبرت حیدرآباد سے نکالا۔قاضی محمد اسلم اور علی قاضی صاحبزادے ہیں سندھی روزنامے کاوش حیدرآباد، کوشش حیدرآباد اور سندھی چینل کے ٹی این انھی کی کاوش ہیں ۔سابق صدر آصف علی زرداری کے عہدِ صدارت سے سندھی ٹوپی اجرک کا دن سندھ میں ہر سال دسمبر کے پہلے اتوار کو منایا جاتا ہے اس کی ابتدا کاوش، کوشش اور کے ٹی این نے کی تھی۔

غلام محمد گرامی (۱۹۷۶۔۱۹۲۰ء) نے زندگی کا بیشتر حصہ حیدرآباد میں گزارااور صحافت میں نام کمایا۔صحافتی کیریئر کا آغاز ہلال پاکستان سے کیا۔روزنامہ عبرت حیدرآباد میں کالم نگاری کی ، سندھی ادبی بورڈ میں ملازمت کی اور رسالہ مہران کے منیجنگ ایڈیٹر رہے ہیں۔

حیدرآباد کی ایک شناخت چوڑی کی صنعت

ادریس بختیار (۲۰۱۹ء) لطیف آباد سے تعلق تھا وہ روزنامہ ڈان کے جریدے ہیرالڈ اور جیو ٹی وی کے نمائندے، روزنامہ جنگ کے کالم نگار تھے پاکستان فیڈرل یونین آف جرنلسٹ کے ایک دھڑے کے صدر بھی تھے۔

عباس برادران کا شمار حیدرآباد سے ملکی منظرنامے پر ابھرنے والے صحافیوں میں ہوتا ہے، سٹی کالج حیدرآباد کے سابق پرنسپل ادیب مرزا عابد عباس مرحوم کے چار صاحبزادے اطہر عباس، مظہر عباس، اظہر عباس اور ظفر عباس ہیں میجر جنرل (بعدازاں لیفٹننٹ جنرل اور یوکرائن میں سفیر) اطہر عباس (پ:۱۹۵۵ء) آئی ایس پی آر کے سربراہ رہ چکے ہیں۔ مظہر عباس (پ: ۱۹۵۸ء) اے آروائی کے سابق نمائندے ہیں۔اظہر عباس جیو کے تجزیہ کار اور روزنامہ جنگ کے کالم نگار ہیں۔ظفر عباس روزنامہ ڈان کے ایڈیٹر ہیں۔

الیاس شاکر (۲۰۱۸۔۱۹۵۱ء) کا شمار حیدرآباد کے اُن صحافیوں میں ہوتا ہے جو حیدرآباد میں پیدا ہوئے۔وہ زمانہ طالب علمی ہی سے سیاست میں سرگرم تھے۔حیدرآباد سے رسالہ ''طالب علم'' جاری کیا، صداقت کراچی کے بیورو چیف بھی رہے بعدازاں انھوں نے کراچی سے دوپہر کا اخبار قومی اخبار نکالا تھا جس نے چٹ پٹی اور مقامی خبروں کے ذریعے جلد ہی اپنا ایک منفرد مقام بنالیا، اسی اخبار کے بطن سے صبح کا اخبار روزنامہ ریاست کراچی کا اجرا کیا۔

مختار عاقل الیاس شاکر مرحوم کے دوستوں میں سے تھے قومی اخبار کے اجرا میں مختار عاقل نے مرحوم کا بہت ساتھ دیا اپنے اخبار روزنامہ جرات کراچی کا اجرا کیا۔

شبیر احمد تابش مرحوم بنیادی طور پر فیچر نگار تھے اگرچہ انھوں نے متعدد اخبارات ورسائل کے لیے کام کیا لیکن انھیں جو شناخت روزنامہ جنگ سے ملی، وہی اِن کا سرمایۂ حیات تھی۔شبیر احمد تابش نے جنگ اخبار، جنگ سنڈے اور جنگ مڈویک میگزین میں حیدرآباد اور اندرون سندھ کے متعلق مسلسل تحقیق اور انتھک محنت سے لکھا اور بہت خوب لکھا۔حیدرآباد کی عمارات ، پیشے ، برادریوں پر انھیں اتھارٹی کا درجہ حاصل تھا، انھیں راقم سمیت متعدد شخصیات نے اِن بکھرے ہوئے مضامین کو کتابی شکل میں لانے کا کہا اور تعاون کی یقین دہانی کرائی ، بقول مرحوم: ''آٹھ کتابوں کا مواد موجود ہے ان شاء اللہ جلد ہی کتابی شکل میں لاؤں گا۔'' افسوس! زندگی نے مہلتِ عمل چھین لی۔اگر روزنامہ جنگ کی انتظامیہ حیدرآباد پر ان کے مضامین کو کتابی شکل دے تو یہ نہایت مفید کام ثابت ہوگا۔

دیگر میں نصرت مرزا دفاعی تجزیہ کار اور تجزیہ نگار ہیں، عزیز اللہ ملک روزنامہ ڈان کے سینئر صحافی ہیں۔اختر علی شاہ پریس کلب حیدرآباد کے بانیوں میں سے ہیں روزنامہ پاسبان حیدرآباد جاری کیا تھا۔عثمان اجمیری مرحوم روزنامہ نوائے وقت سے وابستہ رہے ہیں۔علی حسن پریس کلب کے بانیوں میں سے ہیں سابق صدر ہیں بی بی سی کے نمائندہ حیدرآباد اور اخبار کے کالم نگار ہیں۔ظہیر احمد پہلے روزنامہ جسارت کراچی کے حیدرآباد میں نمائندے تھے بعدازاں ماہ نامہ تحریروتصویر کا اجرا کیا، نہایت ہی قابل اور بے باک صحافی ہیں۔عطا محمد تبسم فیچر نگار اور کہانی کار ہیں ۔اس سمت کو بطورِ معاش اختیار نہیں کیا البتہ شوق کے ہاتھوں لکھتے رہتے ہیں۔عبدالحفیظ عابد آج کل روزنامہ امت کے ریذیڈنٹ ایڈیٹر حیدرآباد ہیں حیدرآباد کی ڈائری مسلسل لکھتے ہیں حیدرآباد یونین آف جرنلسٹ کے روح ورواں ہیں۔محمد شاہد شیخ حیدرآباد پریس کلب کے صدر رہے ہیں روزنامہ جسارت، حیدرآباد کے چیف رپورٹر، فرائیڈے اسپیشل، سندھی ماہ نامے ونجھار کے نمائندہ خصوصی اور اے پی پی اردو کے نمائندے ہیں۔اختر علی اختر شوبز کے صحافی ہیں روزنامہ جنگ کراچی میں باقاعدہ سے شوبز شخصیات سے انٹرویو ودیگر نگارشات پیش کرتے رہتے ہیں۔یعقوب رشید پاکستانی فلمی دنیا کے انسائکلوپیڈیا ہیں روزنامہ جنگ کراچی اور ریڈیو پاکستان حیدرآباد پر تبصرے اور تجزیے پیش کرتے ہیں۔

مختلف شعبہ جات کی نامور شخصیات

عوامی سماجی اور کاروباری شخصیت میں سیٹھ ولی بھائی اکبر جی مولانا عبدالقدوس ہاشمی، فلمی اداکار محمد علی، عوامی نمائندے مبارک علی شاہ، بیوروکریٹ عشرت حسین، فلمی اداکار مصطفیٰ قریشی، فلمی اداکارہ نیلی، ٹی وی اداکارہ فضیلہ قاضی، عوامی نمائندہ فہمیدہ مرزا، لوک گلوکارہ حمیرا چنا، ٹی وی و فلمی اداکارہ صبا قمر، بابائے ہیومیو حیدرآباد ڈاکٹر محمد اسماعیل نامی، قومی کرکٹر شرجیل خان اور حسنین، سوفٹ ویئر انجینئر زاہد حسین چھیپا وغیرہ شامل ہیں۔

سیٹھ ولی بھائی اکبر جی مشہور و معروف کاروباری شخصیت (م:۱۹۷۸ء) تھی۔فتح گروپ، راجپوتانہ اسپتال، ماں جی اسپتال، برکت بھائی اور عباس بھائی پارک انھی کے قائم کردہ ہیں۔(جاری ہے)

بین الاقوامی کتاب میلے میں 'اطراف'

تصاویر: شکیل قریشی

سلیم آرٹ گیلری کے محمد سلیم صاحب

سید خادم علی شاہ، سابق رکن قومی اسمبلی۔ اکبر لغاری سیکرٹری تعلیم حکومت سندھ کو اپنی کتاب دے رہے ہیں

ڈاکٹر سید جعفر احمد۔ سلیم مغل۔ فراست رضوی۔ طارق جمیل

پنجرا کے چیئرمین محمد سلیم

متحدہ قومی موومنٹ کے سید سردار احمد۔ محترمہ نسرین جلیل۔ ستار جاوید

سینئر جرنلسٹ مظہر عباس۔ رفعت سعید

کتاب میلے کے روح رواں عزیز خالد۔ پرائیویٹ اسکولز ایسوسی ایشن کے چیئرمین سید طارق شاہ

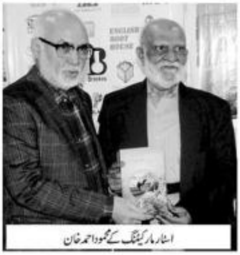

اسٹار مارکیٹنگ کے محمود احمد خان

بین الاقوامی کتاب میلے میں 'اطراف'

جماعت اسلامی معراج الہدیٰ صدیقی ۔ غازی صلاح الدین

مولانا اورنگزیب فاروقی سربراہ اہل سنت والجماعت

رابعہ شاہد اور محمد حسین مخنتی

امیر جماعت اسلامی حافظ نعیم الرحمٰن

افضل جنجوعہ ۔ ضمیر احمد

شریعت کورٹ کے سابق چیف جسٹس آغا رفیق احمد خان

اٹلانٹس کے فاروق احمد ۔ چیئرمین فیڈریشن آف پرائیویٹ اسکولز پاکستان علیم قریشی

ستار جاوید

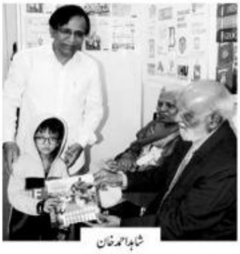
شاہد احمد خان

بنت اظہار اور شاعرہ دری چیپل

فرحان

بلوچستان کے طلبہ

محمد عبدالمعز ۔ اپنی بھانجی بھانجے کے ہمراہ

'ان کہی' کی مصنفہ غزالہ خالد

”اطراف“ کے قلمی سرپرست جناب سید ارتقا احمد زیدی کا نیا سلسلہ ”مشرقی پاکستان. بنگلہ دیش کیوں بنا؟“ بھی قارئین میں بہت مقبول رہا ہے. اپنے مستقبل کو مستحکم بنانے کے لیے اپنے ماضی کا غیر جانبدار تجزیہ ناگزیر ہوتا ہے. مشرقی پاکستان کے المیے پر بہت کچھ لکھا گیا ہے. سینکڑوں کتابیں آچکی ہیں. پھر بھی کچھ گوشے ابھی تک چھپے ہوئے ہیں. سید ارتقا احمد زیدی حکومت پاکستان کے جائنٹ سیکرٹری کے عہدے سے ریٹائر ہوئے ہیں ان کی تحریروں میں 'پاکستانیت' ہر سطر جھلکتی ہے. پڑھئے اور اپنی رائے سے آگاہ کیجئے.

غیر بنگالی استاد کلیم صاحب کی جان کیسے بچی

قسط نمبر 3

☆ سید ارتقا احمد زیدی کی چشم کشا تحریر

کلیم صاحب نے بتایا کہ وہی فوجی ایک ہفتے بعد دوبارہ آئے اور اپنا مطالبہ دہرایا کہ اپنے اسکول میں موجود اساتذہ اور طلبہ میں سے جو افراد بھی مکتی باہنی سے تعلق رکھتے ہیں ان کے حوالے کردیں۔ کلیم صاحب نے کہا کہ آخر وہ کیوں یہ سمجھتے ہیں کہ اس اسکول میں مکتی باہنی سے تعلق رکھنے والے افراد موجود ہیں۔ فوجی افسر نے کہا کہ ہماری اطلاعات کے مطابق مکتی باہنی سے تعلق رکھنے والے یا ان کے ایجنٹ ہر ادارے میں گھس چکے ہیں اور فوج پر چھپ کر حملے کر رہے ہیں اور پاک فوج اس وقت تک کامیاب نہیں ہوسکتی جب تک تمام مکتی باہنی کا قلع قمع نہیں کردیا جاتا۔ کلیم صاحب نے اس فوجی افسر کو سمجھایا کہ صرف شک کی بنا پر اگر لوگوں کو مارا گیا تو یہ بہت بڑی ناانصافی ہوگی اور اس سے بنگالیوں میں پاکستان کے خلاف نفرت بڑھے گی۔ فوجی افسر نے کلیم صاحب کی بات بہت غور سے سنی اور کہا کہ آپ بہت اچھے انسان لگتے ہیں اور پاک فوج سے تعاون کا جذبہ رکھتے ہیں۔ اس لیے ہم آپ کے اسکول میں کسی کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کریں گے۔ کیونکہ ہمیں یقین ہے کہ جہاں آپ جیسے استاد ہیڈ ماسٹر کے فرائض انجام دے رہے

فوجی پھر آئے کہنے لگے: مکتی باہنی سے تعلق رکھنے والے اساتذہ اور طلبہ ہمارے حوالے کردو

ہوں اس اسکول میں مکتی باہنی کے لوگ نہیں ہوں گے۔ فوجی افسر نے کافی وقت اسکول میں لگایا اور کھل کر کلیم صاحب سے بات کی پاک فوج ہر ممکن قدم اٹھائے گی کہ بنگلہ دیش میں کم سے کم خون ریزی ہو اور باغیوں کی بیخ کنی کردی جائے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ محبِ وطن پاکستانی مشرقی پاکستان میں آزادی کی تحریک کو روکنے کے لیے کوئی قدم بھی اٹھانے سے گریز نہ کریں۔ اخباروں اور رسالوں میں مشرقی پاکستان میں آزادی کی تحریک کے خلاف مضامین لکھیں اور پاک فوج سے تعاون کرنے اور مکتی باہنی کیخلاف کام کرنے کے لیے لوگوں کو آمادہ کریں۔ صرف فوج یہ جنگ نہیں جیت سکتی جب تک محب وطن پاکستانی اپنی ذمہ داری نہ نبھائیں۔ فوجی افسر نے کلیم صاحب سے کہا کہ وہ کافی سمجھدار ہیں اور دلیل سے بات کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ اس لیے وہ اپنا قلم پاکستانی فوج کے حق میں مضامین لکھنے کے لیے استعمال کریں۔ فوجی افسر نے کہا کہ ڈھاکہ کے ایک بڑے اخبار میں ان کے مضامین چھپوانے کا بندوبست کیا جاسکتا ہے کیونکہ اس اخبار کا ایڈیٹر ایک محب وطن پاکستانی ہے۔

کلیم صاحب نے وعدہ کیا کہ وہ ایسا ضرور کریں گے۔ چنانچہ کلیم صاحب کے مضامین ہر ہفتے اخبار میں چھپنے لگے۔ ان مضامین میں پاک فوج سے تعاون کرنے کی اپیل کی گئی تھی۔ تین مضامین ہی چھپے تھے کہ مکتی باہنی سے تعلق رکھنے والے چند افراد اسکول میں کلیم صاحب سے ملنے آئے اور ان سے کہا کہ وہ استاد کی بہت عزت کرتے ہیں لیکن وہ یہ بات پسند نہیں کرتے

کہ پاکستانی فوج کے حق میں کسی قسم کی کوئی بات لکھی جائے۔ مشرقی پاکستان کے تمام عوام آزادی کے لیے لڑ رہے ہیں۔ پاک فوج کے مظالم برداشت کر رہے ہیں اور وہ فوج کی حمایت کر رہے ہیں۔ یہ بات قطعی ناقابل قبول ہے۔ کلیم صاحب نے انہیں سمجھایا کہ وہ یہ سب کچھ اس اسکول میں موجود اساتذہ اور طالب علموں کی جان بچانے کے لیے کر رہے ہیں۔ مکتی باہنی کے افراد نے کہا کہ جو کچھ بھی کلیم صاحب کہہ رہے ہیں وہ اس پر یقین کرنے کو تیار ہیں لیکن پھر بھی وہ انہیں فوج کے حق میں مضامین لکھنے کی اجازت نہیں دے سکتے۔

چنانچہ مجبوراً انہوں نے مضامین لکھنا بند کر دیے۔ چند ہفتوں بعد فوجی افسر نے آ کر کلیم صاحب سے گلہ کیا کہ انہوں نے مضامین لکھنا کیوں بند کر دیا ہے۔ کلیم صاحب نے ساری صورت حال بتا دی۔ فوجی طیش میں آ گیا کہ مکتی باہنی والوں کی اتنی ہمت کہ مضامین لکھنے سے روک رہے ہیں۔ اس نے کہا کہ کلیم صاحب لکھنا جاری رکھیں۔ وہ ان کی حفاظت کی ضمانت دیتے ہیں۔ مکتی باہنی ان کا کچھ بگاڑ نہیں سکتی۔ چنانچہ فوجی افسر کے دباؤ کی وجہ سے انہوں نے ایک اور مضمون لکھ دیا۔ مکتی باہنی والے پھر آ گئے اور ترشی سے کہا کہ وہ ایسا کیوں کر رہے ہیں۔ کلیم صاحب نے کہا کہ وہ ڈرتے ہیں کہ کہیں یہ فوجی افسر انہیں گولی نہ مار دیں۔ اگر ان کی بات نہ مانی اور مضامین لکھنا جاری نہ کھا۔ مکتی باہنی والوں نے کہا تو کیا وہ ان کے ہاتھوں مرنا چاہیں گے؟

کلیم صاحب مکتی باہنی کی دھمکی سے ڈر گئے اور مضامین لکھنا بند

فوج کے حق میں مضمون لکھے
تو مکتی باہنی والے آ گئے

کر دیے۔ وہی فوجی افسر کلیم صاحب کے پاس پہنچ گیا اور غصہ کرنا شروع کر دیا کہ وہ اس مکتی باہنی کے دباؤ میں کیوں آ گئے ہیں اور پاک فوج پر بھروسہ کیوں نہیں کرتے۔

کلیم صاحب بہت پریشان رہنے لگے کہ اس مسئلے کا کیا حل نکالا جائے کہ مکتی باہنی اور پاک فوج دونوں کے عتاب سے بچا جا سکے۔ اسی دوران ڈھاکہ میں حالات تیزی سے خراب ہونے لگے۔ مکتی باہنی والے کھلم کھلا پاک فوج اور اس کے حامیوں پر حملے کرنے لگے۔ اور خون ریزی بڑھ گئی۔ کلیم صاحب کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کریں کہ ایک دن مکتی باہنی کا مقامی سربراہ ان کے پاس آیا اور کہا کہ وہ ان کا

بنگالی اپنے استاد کا بہت
احترام کرتے تھے

بہت احترام کرتا ہے۔ بحیثیت ایک استاد کے اور اسی وجہ سے بھی کہ انہوں نے اپنی جان داؤ پر لگا کر اس اسکول کے اساتذہ اور طالب علموں کو پاک فوج کے ہاتھوں مرنے سے بچایا اس لیے وہ اپنا فرض سمجھتا ہے کہ انہیں اور ان کے گھر والوں کی جان کی حفاظت کرے۔ اس نے کہا کہ ڈھاکہ میں مکتی باہنی کا مضبوط گڑھ ہے جہاں پاک فوج گھسنے کی جرأت بھی نہیں کر سکتی۔ یہ علاقہ ڈھاکہ کے وسط میں واقع ہے۔ ان کے اور ان کی فیملی کے لیے محفوظ ترین ہے۔ اس نے کہا کہ اسکول بند ہو گیا ہے۔ نہ معلوم دوبارہ کب کھلے اس لیے وہ اپنے گھر میں رہ کر کیا کریں گے۔ غیر بنگالیوں کے خلاف مکتی باہنی والوں کی نفرت بڑھ رہی ہے۔ وہ تو انہیں جانتا ہے۔ لیکن ہر مکتی باہنی والا تو نہیں جانتا کہ وہ استاد ہیں۔ اس لیے

غیر بنگالیوں کے خلاف
مکتی باہنی کی نفرت بڑھ رہی ہے

خطرہ ہے کسی بھی وقت وہ مکتی باہنی کا نشانہ نہ بن جائیں۔ دوسری طرف پاک فوج بھی آپ سے اس بات پر ناراض ہے کہ ان کے حق میں مضامین کیوں نہیں لکھ رہے۔ اس لیے کہیں ان کے عتاب کا نشانہ نہ بن جائیں چنانچہ بہتر یہی ہے کہ وہ اس کی بات مان لیں اور اس کی حفاظت میں مکتی باہنی کے محفوظ ترین علاقے میں چلنے کی تیاری کریں۔ کلیم صاحب نے کچھ دیر سوچا۔ اپنی فیملی سے مشورہ کیا اور اس کی بات مان کر اس کے ہمراہ روانہ ہو گئے۔ مکتی باہنی کے گڑھ میں پہنچ کر انہیں اندازہ ہوا کہ واقعی یہ محفوظ ترین علاقہ ہے۔ کیونکہ وہاں تک کسی فوجی گاڑی کے پہنچنے کا راستہ نہیں تھا۔ علاقے کے

مکتی باہنی کے گڑھ میں
فوجی گاڑی گھس نہیں سکتی تھی

مکینوں کو جب پتہ چلا کہ کلیم صاحب ایک اسکول کے ہیڈ ماسٹر ہیں تو وہ جوق در جوق ان سے ملنے آنے لگے۔ اپنے علاقے میں ان کو خوش آمدید کہا اور ہر شخص اپنے وسائل کے مطابق تحفہ تحائف لانے لگا۔ کھانے پینے کی چیزوں کے انبار لگ گئے اور انہیں اس قدر محبت اور احترام ملا کہ وہ ششدر رہ گئے۔ کلیم صاحب مزے سے وہاں رہنے لگے۔ ان کی ضروریات سے زیادہ راشن اور دوسری ضروری اشیا باقاعدگی سے فراہم ہونے لگیں اور وہ مکمل طور پر اپنے آپ کو محفوظ سمجھنے لگے۔ کلیم صاحب کہتے ہیں کہ جتنا احترام بنگالی اپنے استاد کا کرتے تھے۔ کاش اس سے آدھا بھی پاکستان میں کسی استاد کو مل جائے تو بڑی بات ہے۔ (جاری ہے) ❁

نیا سال مبارک

تعلیم تدریس۔ الخدمت کے سنگ

'الخدمت' کی خدمات کے لیے ماہنامہ 'اطراف' کے صفحات ہمیشہ سے حاضر رہے ہیں۔ قارئین اطراف کو ہر مہینے ہی آگاہ کیا جاتا ہے کہ یہ فلاحی ادارہ کیسے وہ فرائض انجام دے رہا ہے۔ جو بنیادی طور پر ریاست کی ذمہ داری ہیں۔ اس بار 'الخدمت' کی غریب خاندانوں کی بچوں۔ یتیم بچوں اور گلیوں میں کچرا چنتے بچوں کی تعلیم کے لیے کئے گئے انتظامات سے باخبر کیا جارہا ہے۔ انعام الحق اعوان کی کی دل نشیں تحریر پڑھئے اور اپنی رائے سے آگاہ کیجئے۔

الخدمت کے الفلاح وظائف سب کے لیے

1998۔ کارِ خیر کا آغاز گجرات سے اب دائرہ ملک بھر میں

☆ انعام الحق اعوان

الفلاح ملک بھر کے ذہین اور مالی مشکلات کے شکار طلباء وطالبات کا میرٹ پر انتخاب کرتی ہے، اب تک 5269 طلبہ وطالبات کی اسکالرشپ پر 436.9 ملین روپے کی خطیر رقم خرچ کی جاچکی ہے
آرفن بچوں کیلئے آغوش، تعلیم سے محروم گندگی سے رزق تلاش کرنے والے معصوم پھولوں کے لیے چائلڈ پروٹیکشن سنٹرز علم کے چراغ جلا رہے ہیں
ذہین اور پوزیشن ہولڈرز ہونے کے باوجود وسائل نہ ہونے کی وجہ سے میٹرک کے بعد تعلیم کو خیر باد کہہ کر معاش کی فکر کرنے والے، پاکستان کا مستقبل نوجوانوں کے لیے الخدمت الفلاح اسکالرشپ سمیت قوس قزح کے 7 رنگ بکھیر رہی ہے۔
الخدمت الفلاح اسکالرشپس گزشتہ 25 سال سے رنگ، نسل اور علاقے کی تمیز کے بغیر طلباء کو وظائف دے رہی ہے
الخدمت فاؤنڈیشن پاکستان جہالت کے اندھیروں میں چراغ جلانے کا فریضہ سرانجام دے رہی ہے۔ آرفن بچوں کے لئے آغوش، تعلیم سے محروم گندگی سے رزق تلاش کرنے والے معصوم پھولوں کے لیے الخدمت چائلڈ پروٹیکشن سنٹرز، ذہین اور پوزیشن ہولڈرز ہونے کے باوجود وسائل نہ ہونے کی وجہ سے میٹرک کے بعد تعلیم کو خیر باد کہہ کر معاش کی فکر کرنے والے، پاکستان کا مستقبل نوجوانوں کے لیے الخدمت الفلاح اسکالرشپ سمیت قوس قزح کے 7 رنگ بکھیر رہی ہے، پاکستان ہی نہیں دنیا میں کہیں بھی آفت آتی ہے تو الخدمت فاؤنڈیشن کے رضا کار ہمیں ریسکیو اور ریلیف میں مصروف عمل نظر آتے ہیں، کورونا کی وجہ سے پوری دنیا میں انسانوں نے خود کو قید کرلیا اس دوران بھی ہمیں الخدمت کے رضا کار انسانوں کی خدمت کے ساتھ جانوروں کو بھی خوراک پہنچاتے نظر آئے۔ سیلاب، زلزلہ، آئی ڈی پیز کو ریلیف پہنچانے میں ان کے نمایاں کردار کا اعتراف ترکیہ کی حکومت نے بھی کیا، گزشتہ عرصے کے دوران شام اور ترکیہ میں زلزلہ آیا تو حکومت ترکیہ کی جانب سے پاکستان کی جس واحد فلاحی تنظیم کو امدادی سرگرمیوں کے لیے ترکیہ مدعو کیا گیا وہ الخدمت فاؤنڈیشن پاکستان تھی۔

باہمت یتیم بچوں کی کفالت اور تعلیم کے لیے
22 آغوش سینٹرز

مستحق مگر ذہین طلبہ کے لیے الفلاح اسکالرشپ

عرب جہالت کے اندھیروں میں ڈوبا ہوا تھا، رب کائنات نے غار حرا سے نبیؐ مہربان کو نبوت اور اقراء کی صورت علم کا چراغ عطا کیا اور پھر دنیا نے اس علم کی روشنی کو عرب وعجم میں پھیلتے دیکھا۔ گجرات کی تحصیل کھاریاں کے پسماندہ علاقے چنن سے مستحق مگر ذہین طلبہ وطالبات کے لیے اسکالرشپ کا سفر شروع ہوا، الخدمت الفلاح اسکالرشپ کے بانی محمد عبدالشکور بتاتے ہیں یہ 1998ء کی بات ہے جب میں اپنے تعلیمی ادارے میں موجود تھا ایک انٹر میڈیٹ پاس لڑکی نے مجھ سے ٹیچر کی نوکری کے لیے رابطہ کیا اس بچی کا تعلیمی کیریئر دیکھ کر میں نے سوچا اس بچی کو اپنی تعلیم جاری رکھنی چاہیے، جب اس بچی سے تعلیم جاری نہ رکھنے کی وجہ پوچھی تو اس نے بتایا وہ یتیم ہے اور کوئی اس کی پڑھائی کے اخراجات برداشت کرنے والا نہیں' میں نے اس لڑکی کو اگلے روز اپنی والدہ کے ہمراہ آنے کا کہا اور خود سے عہد کیا میں اس لڑکی کے لیے اسکالرشپ کا بندوبست کروں گا، اس دوران امریکہ میں ایک دوست سے رابطے کے دوران ذہین طالبہ کا ذکر ہوا تو اس دوست نے دوسال کے لیے اس بچی کے تعلیمی اخراجات اپنے ذمے لے لیے۔ میں نے اس پر سوچا کہ پاکستانی ذہین طلباء کی بہت بڑی تعداد وسائل نہ ہونے کی وجہ

سے تعلیم ادھوری چھوڑ دیتی ہے، کچھ مزید دوستوں سے مشاورت کے بعد ہم نے فیصلہ کیا کہ ذہین اور باصلاحیت طلبہ وطالبات کی تعلیم کو جاری رکھنے کے لیے اسکالرشپ کا میکنزم بنایا جائے اور پھر یہ مشاورت الفلاح اسکالرشپ کی صورت عملی شکل کی صورت سامنے آئی۔

الخدمت الفلاح اسکالرشپس گزشتہ 25 سال سے رنگ، نسل اور علاقے کی تمیز کے بغیر طلباء کو وظائف دے رہی ہے 1998ء میں جس کارخیر کا آغاز ضلع گجرات سے ہوا، آج اس کا دائرہ پورے ملک میں پھیل چکا ہے۔ الفلاح ملک بھر کے ذہین اور مالی مشکلات کے شکار طلباء وطالبات کا میرٹ پر انتخاب کرتی ہے اور پھر انہیں ہائیر ایجوکیشن میں وظائف دے کر حیرت انگیز کامیابیوں کے راستے پر کھڑا کر دیتی ہے۔ اب تک 5269 طلبہ وطالبات کی اسکالرشپ پر 436.9 ملین روپے کی خطیر رقم خرچ کی جا چکی ہے میڈیکل کے شعبے میں 412 طلبہ 192 طالبات کو اسکالرشپ دیا گیا۔ انجینئرنگ میں 675 طلبہ 35 طالبات، بی ایس اور ماسٹرز میں 698 طلبہ 452 طالبات، گریجویشن میں 202 طلبہ 326 طالبات، ایسوسی ایٹ انجینئرنگ میں 253 طلبہ 3 طالبات اور انٹرمیڈیٹ میں 922 طلبہ 1099 طالبات کو اسکالرشپ دیا گیا۔

والدین کی شفقت سے محروم یتیم باہمت بچوں کیلئے آغوش

آغوش مادر اور شفقتِ پدری سے محرومی کا تصور ہی جان لیوا ہے۔ لیکن وطن عزیز پاکستان میں 42 لاکھ سے زائد بچے باپ کے سائے سے محروم ہیں اور کم و بیش اتنی ہی تعداد ایسے بچوں کی بھی ہے جنہیں ماں کی آغوش میسر نہیں۔ یہ بچے احساس محرومی میں مبتلا زمانے کی بے رحم ٹھوکروں پر زخم کھاتے آگے بڑھتے ہیں، لیکن ان میں سے بیشتر تو دوڑتی زندگی کی گرد میں ایسے گم ہو جاتے ہیں کہ انہیں تلاش کرنا مشکل ہی نہیں ناممکن ہو جاتا ہے۔ ایسے ہی ہزاروں بچوں کو زندگی کا چین، زمانے سے مقابلہ کرنے کا ہنر سکھانے، آگے بڑھنے کی لگن پروان چڑھانے کیلئے اسی معاشرے کے کچھ مخیّر حضرات کوشاں ہیں۔ ان باہمت بچوں کو کندن بنانے کا بیڑا الخدمت فاؤنڈیشن پاکستان نے اٹھا رکھا ہے۔ الخدمت فاؤنڈیشن حضرت موسیٰ وخضر کی روایات کی امین ہے، جو معاشرے کے باہمت بچوں کے مقدر کی گری ہوئی دیوار کو تعمیر کر کے ان کی امیدوں، خوابوں کو آغوش کے قلعے میں محفوظ بناتے ہیں، اس قلعے میں اپنے چمن پاکستان کی کلیوں کی نگہداشت کی جاتی ہے، انہیں موسم کی سختیوں سے نمٹنے کیلئے تیار کیا جاتا ہے۔ الخدمت فاؤنڈیشن کفالت یتامیٰ

پروگرام میں جہاں یتیم بچوں کی کفالت ان کے گھروں پر کر رہی ہے وہیں اس وقت ملک بھر میں قائم 22 آغوش سینٹرز میں بھی باہمت بچوں کی پرورش کی جا رہی ہے۔ مجموعی طور پر 21 ہزار 600 آرفن باہمت بچوں کی کفالت کی جا رہی ہے

الخدمت کے سب سے بڑے منصوبے ''الخدمت آغوش'' کا آغاز 2005 میں اس وقت کیا گیا جب پاکستان میں زمین کی جنبش نے کئی ہنستے مسکراتے بچوں کو احساس محرومی میں مبتلا کر دیا، جب ہزاروں بچوں سے انکے والدین بچھڑ گئے۔ ہزاروں بچے ایک عجیب ذہنی کشمکش، اضطراب اور خوف کا شکار تھے، ایسے میں ان بچوں کا مستقبل تاریک ہونے کا خدشہ تھا۔ معاشرہ ان کے استحصال کیلئے تیار تھا مگر الخدمت فاؤنڈیشن جو زلزلہ کے بعد ریسکیو اور ریلیف کے کاموں میں مصروف تھی، اسے ان بچوں کے مسائل کا فوری ادراک ہوا۔ ان بچوں کو ماں کی ممتا اور باپ کی شفقت فراہم کرنے کا تصور آغوش کی صورت میں پیش کیا گیا۔ اٹک میں آزاد کشمیر اور خیبر پختونخوا کے یتیم بچوں کیلئے ایک خوبصورت آشیانے کی تعمیر کا آغاز ہو گیا۔ ابتدا میں 200 یتیم بچوں کو آغوش اقامتی مرکز میں رکھا گیا۔ والدین کی شفقت سے محروم بچوں کی پرورش، تعلیم وتربیت، صحت، نصابی اور ہم نصابی سرگرمیوں کا اہتمام کیا گیا۔ اس وقت الخدمت اٹک سے فارغ التحصیل 200 بچے مختلف شعبہ ہائے زندگی میں کارہائے نمایاں سرانجام دے رہے ہیں۔ آغوش ایک منصوبہ ہی نہیں بلکہ حقیقت میں یتیم بچوں کیلیے ماں کی ممتا، باپ کی شفقت، بہنوں اور بھائیوں کے پیار کا نمونہ ہے۔ یہ وہ آغوش ہے جہاں یتیم بچوں کو گھر سے دور رہ کر بھی گھر سے دوری کا احساس نہیں ہوتا۔ یہ منصوبہ ایک عمارت سے شروع کیا گیا تھا، مگر پاکستان کے مخیّر حضرات کے تعاون سے اس کی جڑیں نہ صرف پاکستان کے طول وعرض میں پھیل چکی ہیں، محبت، اپنائیت اور خدمت کی اس خوشبو سے سارا دیس مہک رہا ہے۔ بلکہ اب اسکا دائرہ کار ترکی میں شام کے جنگ زدہ علاقوں سے ہجرت کرنے والے یتیم بچوں کیلئے بھی ایک عالی شان آغوش سینٹر مکمل ہو چکا ہے۔ یہ آغوش سینٹر درحقیقت امت مسلمہ کے بھائی چارے کی ایک شاندار مثال ہے۔ بظاہر ایک عمارت دکھائی دینے والا آغوش سینٹر درحقیقت ہزاروں یتیم بچوں کیلئے ماں کی ممتا، باپ کی شفقت سمیٹے ہوئے ہے۔ جہاں بچوں کی تعلیم وتربیت کیلئے تعلیم یافتہ انتظامی عملہ ہمہ وقت موجود ہوتا ہے۔ جہاں بچے اپنے شب وروز طے شدہ طریقہ کار کے مطابق گزارتے ہیں۔ جہاں علی الصبح بیدار ہونے سے رات سوتے وقت تک ایک ایک قدم پر بچوں کی رہنمائی کی جاتی ہے۔ جنہیں معاشرے کے دیگر بچوں کی طرح بہترین تعلیمی سہولیات سے مزین سکول میں تعلیم دی جاتی ہے۔ یہاں نصابی اور ہم نصابی سرگرمیوں کا ایسا بہترین انتظام موجود ہے کہ دیکھنے والے ششدر رہ جاتے ہیں۔ یقین جانیے کہ ایسا بہترین نظام تو شاید معاشرے کے دیگر بچوں کو بھی میسر نہ ہو۔ یہی نہیں بلکہ آغوش الخدمت میں ماہانہ طبی معائنہ، کمپیوٹر لیب، لائبریری، سپورٹس گراؤنڈ، ان ڈور گیمز اور بچوں کی نفسیاتی نشوونما کے لیے مختلف لیکچرز اور تعلیمی دوروں کا اہتمام کیا جاتا ہے۔ آغوش سینٹرز درحقیقت سینکڑوں باہمت بچوں کیلئے ایک تحفہ ہے، جو الخدمت فاؤنڈیشن انہیں دے رہی ہے۔

ہزاروں نوجوانوں کو ہُنر کی تربیت دی جا رہی ہے

الخدمت سٹریٹ چائلڈ کی امید

سڑکوں سے اپنا رزق تلاش کرنے والے بچے ہمارے معاشرے کا حساس گوشہ ہیں اور اِن کی آبیاری ہم سب کا اخلاقی فرض ہے۔ اس وقت پاکستان میں لاکھوں سٹریٹ چلڈرن ہیں، جو حکومتی عدم توجہ اور معاشرتی رویوں کے باعث گھروں اور تعلیمی اداروں میں اپنا وقت گزارنے کی بجائے سڑکوں پر محنت مزدوری کرنے پر مجبور ہیں۔ اس سنگین مسئلے کے پیشِ نظر الخدمت فاؤنڈیشن چائلڈ پروٹیکشن سنٹرز کا قیام عمل میں لا رہی ہے، جس کے تحت اب تک 49 سنٹر قائم کیے جا چکے ہیں۔ ان سینٹرز میں 15 ہزار کے قریب بچوں کو صحت، رسمی وغیر رسمی تعلیم کی بنیادی سہولیات کے ساتھ ساتھ نصابی اور ہم نصابی سرگرمیاں کے مواقع بھی فراہم کیے جا رہے ہیں۔

الخدمت فاؤنڈیشن کے شعبہ تعلیم کے مختلف گوشے ہیں جو اپنے دائرہ کار میں علم کی شمع جلا رہے ہیں اسکل ڈیلپمنٹ بنو قابل کے عنوان سے ہزاروں نوجوانوں کو اسکل (ہُنر کی تربیت) کے بعد اپنے پاؤں پر کھڑا کیا جا رہا ہے تا کہ وہ اپنے گھرانے کا معاشی بوجھ اٹھا سکیں۔ ۞

شمس العلماء داؤد پوتا لائبریری حیدر آباد

حیدر آباد۔ پاکستان کا تاریخی شہر ہے۔ پروفیسر شاداب احمد صدیقی 'اطراف' کے قلمی معاون ہیں بہت خلوص اور جوش و جذبے سے 'اطراف' کو حیدر آباد میں متعارف کروارہے ہیں۔ اب کے وہ حیدر آباد کے ایک تاریخی کتب خانے شمس العلماء لائبریری کا جائزہ لے کر ایک تفصیلی تحریر سے نواز رہے ہیں۔ ایسی لائبریریاں کسی بھی شہر کے لیے تازہ ہوا کے جھونکے ہوتی ہیں۔ جہاں کئی کئی نسلیں علم و دانش سے مستفید ہوتی ہیں۔

جولائی 1971۔ ڈاکٹر عمر بن داؤد پوتا کی تمام کتابیں فرنیچر۔ صوبائی پبلک لائبریری کے حوالے

☆ پروفیسر شاداب احمد صدیقی، حیدر آباد

کتاب بہترین دوست اور تنہائی کی ساتھی ہے۔ انسان اور کتاب کا رشتہ اتنا ہی قدیم ہے جتنا انسانی تہذیب وتمدن کا سفر ہے۔ کتاب ایک ایسی حقیقت ہے جسے ہر زمانے میں ایک خاص اہمیت حاصل رہی ہے۔ کسی مفکر کا قول ہے کہ اگر دو دن تک کسی کتاب کا مطالعہ نہ کیا جائے تو تیسرے دن گفتگو میں وہ شیرینی نہیں رہتی یعنی انداز تکلم تبدیل ہو جاتا ہے۔ ایک فلسفی کا کہنا ہے کہ: ''اچھی کتاب مثالی دوست اور سچا ساتھی ہے جو ہمیشہ سیدھے راستے پر چلنے کی صلاح دیتا ہے۔'' ایک عالم کے مطابق کتابوں کا پیار ہی انسانوں کو اپنے خالق سے روشناس کرنے کا ذریعہ ہے۔ مشہور فلسفی سقراط کہتا ہے: ''جس گھر میں اچھی کتابیں نہیں ہیں وہ گھر حقیقتاً گھر کہلانے کا مستحق نہیں ہے۔ وہ تو زندہ مردوں کا قبرستان ہے۔'' کتابوں کے مطالعے سے ہمیں ٹھوس دلائل دینے اور بات کرنے کا سلیقہ آتا ہے۔ کسی بھی ملک کے عروج اور زوال کے اسباب اس ملک کے نوجوان ہوتے ہیں، نوجوانوں کا تعلیم یافتہ اور باشعور ہونا، اس ملک کے روشن مستقبل کی ضمانت ہوتی ہے۔ کتابوں کا نوجوانوں اور طلبا سے گہرا تعلق ہے۔ کتاب اور طالب علم جیسے روح اور جسم ہوتے ہیں۔ کتاب منبع علم اور مصور علم ہے۔ کتاب غور وفکر کو پروان چڑھاتی ہے۔

غور وفکر انسان کو حکمت و دانائی اور معرفت کی طرف لے جاتا ہے۔ کتاب انسان کو طمانیت، شعور و آگہی اور وجدان کے خزینے عطا کرتی ہے۔ کتاب انسانی سوچوں کو گہرائی اور وسعت سے نوازتی ہے۔ کتاب کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ قرآن نے ابتدا میں ہی اپنا تعارف ''الکتاب'' کے طور پر کروایا۔ ہمارا تو پہلا استعارہ ہی ''اقراء'' ہے۔ بے شمار حکمتوں کے ساتھ ساتھ اس میں یہ حکمت ہے کہ کتاب سے تعلق اور ربط پیدا کرنے کے لیے اللہ نے اپنے کلام کا نام ''الکتاب'' رکھا۔ کتاب کا اس سے بڑا مرتبہ اور کیا ہوسکتا ہے۔

سائنسی انقلاب برپا ہو چکا ہے اور انٹرنیٹ کی تیز رفتار نے فاصلے سمیٹ دیے ہیں۔ پوری دنیا اب انگلیوں کے اشاروں پر ہوتی ہے اور ہر طرح کی معلومات کا خزانہ ہماری آنکھوں کے سامنے ہوتا ہے مگر یہ کہنا غلط نہیں کہ کتابوں کی دائمی اہمیت و افادیت اپنی جگہ قائم و دائم ہے اور اس میں اضافہ بھی ہو رہا ہے۔ کتاب کے ساتھ ساتھ

تواریخ چچ نامہ۔
تاریخ معصومی۔ اہم کارنامہ

لائبریری (کتب خانہ) کی بھی اہمیت مسلمہ ہے۔ زندہ قوموں کا شعار، بلکہ فطرت ثانیہ ہوتی ہے کہ وہ کتب خانوں کو بڑی قدر و منزلت دیتی ہیں۔ آج کے انفارمیشن ٹیکنالوجی کے انقلابی دور میں امریکا میں لائبریری آف کانگریس اور برطانیہ میں برٹش میوزیم لائبریری دو قوموں کے واسطے فکری اساس یا شہ رگ بنی ہوئی ہیں۔ یہی علم پرور ادارے ان کو خیالات کی نئی وسعتوں میں محو پرواز رکھتے ہیں، قوم وملت کو تمام شعبہ ہائے زندگی میں منزل مقصود تک پہنچانے

شمس العلماء داؤد پوتا لائبریری حیدرآباد

کے ضمن میں ان لائبریریوں کی کروڑوں کتابیں خاموشی سے راہبری اور رہنمائی کا فریضہ انجام دیتی ہیں۔ ان قوموں کے باشعور عوام میں لائبریری تحریک کا ایک منظم سلسلہ بھی موجود ہے۔ لائبریری کا ہونا ایک لازمی فطری امر ہے۔

اس کے بغیر تعلیم کا مقصد اور تدریس کا نظام ادھورا اور نامکمل رہتا ہے۔ کتب خانے اساتذہ اور نوجوان طلبا کے لیے اہم اور ناگزیر ہیں، یہاں اساتذہ علم میں نئی نئی تحقیقات سے بہرہ ور ہوتے ہیں اور طلبا بھی اپنی نصابی اور ہم نصابی معلومات میں اضافہ کرتے ہیں۔ اہل علم کسی بھی ملک میں پائے جانے والے کتب خانوں کو اس ملک کی ثقافتی، تعلیمی اور صنعتی ترقی کا پیمانہ قرار دیتے ہیں۔ کتب خانوں کی تاریخ اتنی ہی قدیم ہے جتنی قدیم انسان کی تہذیب ہے۔ تہذیب کے آغاز سے ہی انسان نے ہر دور میں حاصل ہونے والے علم کا ریکارڈ رکھنے کی کوشش کی ہے۔ کتب خانوں کی تاریخ کا آغاز اس وقت سے ہوتا ہے جب انسان کے پاس لکھنے کے لیے کاغذ قلم نہ تھا اور وہ مٹی کی تختیوں، چمڑے اور ہڈیوں پر تحریر کو محفوظ کرتا تھا۔ جب انسان نے لکھنا پڑھنا شروع کیا تو لکھنے پڑھنے کی چیزوں کو بھی اس نے حفاظت سے رکھنے کی کوشش کی۔ انسان کی اسی کوشش نے کتب خانوں کو جنم دیا۔ کتاب اور کتب خانے کی مدد سے ہم ان عظیم شخصیات سے رابطہ قائم کیے ہوئے ہیں جن کے اقوال زریں ہماری زندگی کی قیادت کرتے ہیں۔ لائبریری وہ عمارت ہے جس میں قارئین کے لیے کتابی و غیر کتابی مواد منظم طور پر مہیا کیا جائے۔ چونکہ اس کا مقصد محفوظ شدہ معلومات کی تحصیل، حفاظت، ترتیب، تنظیم اور اسے جویان علم کی رسائل کے قابل بنانا ہے۔ لائبریری میں عام کتابوں کے علاوہ اخبار اور رسائل و جرائد بھی رکھے جاتے ہیں تا کہ اساتذہ اور نوجوان طلبا تازہ ترین معلومات حاصل کر سکیں۔ اس میں دو رائے نہیں کہ لائبریری علم کے فروغ میں ریڑھ کی ہڈی کی مانند ہوتی ہے۔

سرمئی شاموں اور ٹھنڈی ہواؤں کے شہر حیدرآباد کے پرفضا مقام پر قائم ''شمس العلما ڈاکٹر عمر بن محمد داؤد پوتہ لائبریری'' کا کلیدی کردار ہے، نوجوان طلبا اور طالبات دور دراز سے صبح سے ہی علم کے حصول کے لیے یہاں اپنی علمی پیاس بجھانے آتے ہیں۔ یہ طلبا اور طالبات بڑی تعداد میں ہونے کی وجہ سے اپنی اپنی نشست حاصل کرنے کے لیے قطار میں لگ کر اندر داخل ہوتے ہیں اور اپنی نشست حاصل کرنے میں کامیاب ہوتے ہیں۔ یہ لائبریری رانی باغ اور سندھ میوزیم کے قریب واقع ہے، بالمقابل قاسم آباد حیدرآباد۔ اس لائبریری کا تاریخی پس منظر کچھ اس طرح ہے کہ سندھ اسمبلی نے 30-01-1951 کو ایک قرارداد پاس کی کہ صوبائی پبلک لائبریری حیدرآباد میں قائم کی جائے۔ اس وقت جگہ کی دقت کی وجہ سے اس پبلک لائبریری کو این جے وی (NJV) ہائی اسکول کراچی میں اکتوبر 1961 میں قائم کیا گیا۔ ایک سال کے وقفے کے بعد 1962 میں اس لائبریری کو گورنمنٹ مسلم کالج حیدرآباد کے ہال میں منتقل کر دیا گیا۔ 1965 میں سندھ میوزیم حیدرآباد کے احاطے میں اس لائبریری کی اپنی بلڈنگ تعمیر ہوئی اور اس وقت کی سندھ

> **موجودہ نئی عمارت کا افتتاح**
> **سید عبداللہ شاہ نے کیا**

صوبائی لائبریری کو یہاں منتقل کر دیا گیا۔ ڈاکٹر عمر بن محمد داؤد پوتہ مرحوم کی زوجہ خدیجہ صاحبہ نے جولائی 1971 میں ڈاکٹر عمر بن محمد داؤد پوتہ کی تمام کتابیں، فرنیچر اور ذاتی استعمال کی اشیا اس وقت کی صوبائی پبلک لائبریری کے لیے محکمہ تعلیم حکومت سندھ کو بطور عطیہ دے دیں۔ یہاں یہ وضاحت ضروری ہے کہ ڈاکٹر عمر بن محمد داؤد پوتہ فخر سندھ ماہر تعلیم، ماہر سندھیات، ماہر لسانیات، محقق، معلم اور بے پناہ صلاحیتوں کے مالک تھے۔

آپ کی علمی و ادبی خدمات اور کاوشوں کے صلے میں برطانوی حکومت ہند نے آپ کو شمس العلما کے خطاب سے نوازا تھا۔ وہ برصغیر کی آخری علمی شخصیت تھے جنھیں یہ خطاب عطا ہوا تھا۔ ڈاکٹر عمر بن محمد داؤد پوتہ کا سب سے بڑا کارنامہ سندھ کی دو مشہور فارسی تواریخ چچ نامہ اور تاریخ معصومی کی ترتیب ہے۔ انھوں نے عربی، فارسی اور انگریزی میں 28 کتابیں یادگار چھوڑیں۔ وہ آخری عمر تک علم و ادب کی خدمت کرتے رہے۔ مئی 1986 میں محکمہ تعلیم سندھ کی تقسیم کے بعد تمام عوامی لائبریریاں نیا معرض وجود ہونے والے محکمہ ثقافت سندھ میں منتقل ہوگئیں۔ جب سے یہ لائبریری محکمۂ ثقافت حکومت سندھ کے تحت کام کر رہی ہے۔ اس وقت کے محکمہ ثقافت حکومت سندھ کے بانی سیکریٹری عبدالحمید آخوند کی ذاتی کاوشوں سے سندھ گورنمنٹ صوبائی پبلک لائبریری کا نام تبدیل کر کے شمس العلما ڈاکٹر محمد عمر بن داؤد پوتہ لائبریری رکھ دیا گیا۔ عبدالحمید آخوند سیکریٹری محکمۂ ثقافت سندھ ڈاکٹر عمر بن محمد داؤد پوتہ کے نواسے تھے۔ آپ کی محکمہ ثقافت کے لیے کی جانے والی خدمات قابل تحسین ہیں۔ یہ لائبریری کافی عرصہ سندھ میوزیم حیدرآباد کی بلڈنگ میں قائم رہی۔ موجودہ نئی عمارت کا افتتاح سابق وزیر اعلیٰ سندھ سید عبداللہ شاہ نے 17 مئی 1996 کو کیا۔ موجودہ شمس العلما ڈاکٹر عمر بن محمد داؤد پوتہ لائبریری نہایت دل کش اور خوب صورت ہے۔ اس کے مین داخلی دروازہ کے باہر خوب صورت سندھی ثقافت کو اجاگر کرنے کے لیے اجرک جیسے ٹائلز لگائے گئے ہیں۔ یہ ٹائلز اور ڈیزائن سندھ کی عکاسی ظاہر کرتے ہیں۔

لائبریری کے چاروں طرف سبزہ زار ہے اور ایک بڑا باغ ہے یہاں طلبا کی بڑی تعداد لائبریری کے اندر نشست نہ ملنے کی صورت میں اپنی پڑھائی میں مشغول نظر آتے ہیں۔ تعلیم کے حصول کا جنون ان نوجوانوں کو سندھ کے دور دراز کے علاقوں دیہات سے علم کی پیاس بجھانے کے لیے لے کر آتا ہے۔ اندرون سندھ سے بہت بڑی تعداد میں نوجوان طلبا اور طالبات صبح ہی صبح اپنی نشست کے حصول کے لیے پہنچ جاتے ہیں۔ جب لائبریری کا دروازہ کھلتا ہے تو طلبا بہت تیز رفتار میں اپنی نشست حاصل کرنے کے لیے دوڑتے ہیں اور جو طالب علم کامیاب ہو جائے وہ لائبریری کے اندر اپنی نشست پر براجمان ہو جاتا ہے اور باقی بچ جانے والے طلبا پارک اور لائبریری کی لابی میں بیٹھ کر اپنے مستقبل کو روشن کرنے اور کامیاب ہونے کے لیے اپنی کتابوں میں مگن ہو جاتے ہیں۔ اس لائبریری کے اوقات صبح 9 سے رات 10 بجے تک ہیں۔ شمس العلما عمر بن محمد داؤد پوتہ لائبریری حیدرآباد کے ایڈمنسٹریٹر سجاد مرزا نے بتایا کہ یہاں کتابوں کی تعداد ڈیڑھ لاکھ سے زیادہ ہے، تمام شعبوں سے تعلق رکھنے والی کتابیں یہاں موجود ہیں۔ اورینٹل سیکشن میں عربی، فارسی، اردو اور انگریزی زبانوں میں کتب موجود ہیں۔ یہاں روزانہ تقریباً ایک ہزار کے قریب طلبا اور طالبات مطالعہ کرنے آتے ہیں۔ یہ لائبریری کئی مختلف حصوں پر مشتمل ہے۔ داخلی راستے سے داخل ہوتے ہی سب سے پہلے بائیں ہاتھ پر چلڈرن سیکشن ہے، جہاں بچوں سے متعلق مختلف رنگ برنگی کتابیں موجود ہیں۔ بچوں کے ساتھ خواتین بھی یہاں مطالعہ کرتی ہیں۔ چلڈرن سیکشن بنانے کا مقصد بچوں میں کتابوں سے رغبت پیدا کرنا اور علمی صلاحیتوں کو ابھارنا ہے۔ دائیں ہاتھ پر شمس العلما ڈاکٹر عمر بن محمد داؤد پوتہ کے نام سے منسوب سیکشن ہے۔ یہاں ان کی کتابیں، فرنیچر اور دیگر سندھی ادب اور شاعری پر مبنی کتابیں موجود ہیں۔ اندر داخل ہوتے ہی بالکل سامنے لنکن کارنر سیکشن ہے۔ اس لنکن کارنر کا افتتاح امریکا

کے سفیر ڈوڈ مین DodmanMichale اور وزیر اعلیٰ سندھ سابقہ معاون خصوصی برائے کلچر اور ٹورازم محترمہ شرمیلا فاروقی نے کیا۔

یہ سیکشن امریکا کے سابق صدر ابراہم لنکن جو کہ امریکا کے 16 ویں صدر تھے، سے موسوم ہے۔ لنکن کارنر پاکستانیوں کا امریکا سے رابطے کا ذریعہ ہے۔ لنکن کارنر امریکی سفارتخانہ اور منتخب پاکستانی اداروں کے درمیان شراکت دار ہے۔ جامعات، پبلک لائبریریز اور ثقافتی سینٹرز کے طور پر کام کرتے ہیں جہاں لوگ انٹرنیٹ، انگریزی زبان کی پریکٹس اور مختلف طریقوں سے امریکا کے متعلق جان سکتے ہیں۔

لنکن کارنر کتابوں، رسائل اور مختلف ذرائع سے امریکا کے متعلق تازہ اور موجودہ معلومات تک رسائی فراہم کرتا ہے۔ یہ سیکھنے اور علمی مباحثے کے لیے آرام دہ ماحول فراہم کرتا ہے۔ امریکا سے متعلق معلوماتی ویب سائٹس، ای لائبریری امریکا تک مفت وائی فائی انٹرنیٹ کے ذریعے رسائی ممکن بناتا ہے۔

لنکن کارنر میں ایک لنکن کارنر کوآرڈی نیٹر موجود ہوتا ہے، دونوں زبانوں کا ماہر یہ کوآرڈی نیٹر آنے والے افراد کو امریکی معلومات سے متعلق دل چسپی پر ان کی راہ نمائی کرتا ہے۔ امریکن حکومت نے ڈیجیٹل اور کتابیں لائبریری کو عطیہ دیا۔ لنکن کارنر سیکشن کے ساتھ ہی اندر کی جانب گرلز سیکشن ہے، یہاں پر صرف خواتین اور طالبات مطالعہ کرتی ہیں۔ تقریباً 50 سے 60 خواتین کے بیٹھنے کی نشست موجود ہیں۔ خواتین کے پردے کا خاص خیال رکھا جاتا ہے۔ چند قدموں کے فاصلے پر CSS سیکشن ہے، یہاں مستقبل کے بیوروکریٹس تعلیم میں مشغول نظر آتے ہیں۔ نوجوانوں کا یہ جوش اور ولولہ دیدنی ہے۔ وفاقی پبلک سروس کمیشن اسلام آباد CSS کمیشن کے ذریعے سرکاری ملازمین کی میرٹ پر بھرتی کرتا ہے، اس کمیشن کا کام ایک مخصوص اہلیت کے نوجوانوں کی چھانٹی کرنا ہے تاکہ حکومت پاکستان کو اچھے سرکاری ملازم مل سکیں۔ CSS کمیشن پاس کرنے کے بعد مختلف سرکاری محکموں میں کم از کم سترہ 17 گریڈ کی نوکری ملتی ہے۔ یہ لائبریری نہ جانے کتنے بیوروکریٹس بنا چکی ہے۔

شمس العلما ڈاکٹر عمر بن محمد داؤد پوتہ لائبریری سے دانشور، مدبر، سیاست داں، اسکالرز اور سرکاری محکموں کے اعلیٰ افسران اسی لائبریری کی کتابوں سے مستفید ہوتے رہے اور آج معاشرے میں ان کا اعلیٰ مقام ہے جن میں قابل ذکر نام رسول بخش پلیجو، ایاز پلیجو، تاج جویو، ڈاکٹر نبی بخش بلوچ، حسین بخش تھیبو، ڈی آئی جی خادم رند، آئی جی سندھ آفتاب پٹھان، ممتاز مرزا، اسماعیل شیخ، ادریس جتوئی اور ایسے بے شمار ناموں کی طویل فہرست ہے۔ آج بھی یہ سلسلہ جاری ہے۔ یہاں عام قاری سے لے کر اسکالرز، ادیب، دانشور، ریسرچر آتے ہیں اور کتابوں سے مستفید ہوتے ہیں۔

یہاں اسٹیک سیکشن SectionStack(BankBook) موجود ہے، یہاں سائنس، فکشن، معلومات عامہ، تاریخ، اسلامی تاریخ اور آئی ٹی وغیرہ تمام موضوعات پر کتابیں موجود ہیں۔ کتاب طالب علم کو جاری کرنے کے لیے قومی شناختی کارڈ لازمی ہے۔ دو ریڈنگ ہال ہیں۔ ریڈنگ ہال نمبر 1 اور ریڈنگ ہال نمبر 2۔ ان دونوں ہالوں میں نوجوانوں کی بڑی تعداد موجود ہوتی ہے۔ طلبا کا یہاں انداز مطالعہ زندگی کا احساس دلاتا ہے۔ نوجوانوں کی یہ دنیا عام دنیا سے بالکل مختلف ہے، انھیں صرف اور صرف اپنے مستقبل کی فکر ہے اور اپنے خوابوں کی تکمیل حاصل کرنے کے لیے اپنی نفسانی خواہشوں کو مار کر کتابوں کے سمندر میں غوطہ زن ہوتے ہیں۔ ریڈنگ ہال میں کیٹلاگ موجود ہے، اس کی مدد سے کتابیں ڈھونڈنے میں آسانی ہوتی ہے۔

کیٹلاگ کتب خانہ کی کلیدی حیثیت رکھتا ہے یعنی اس کے استعمال ہی سے کتب خانہ کا دروازہ کھل سکتا ہے۔ کیٹلاگ سے مراد لائبریری میں موجود ہر قسم کی ایسی باقاعدہ فہرست جس میں مواد کے کوائف،

½1 لاکھ سے زیادہ کتابیں۔
انتہائی اہم الگ الگ سیکشن

مندرجات کو ایک مخصوص نظام کے تحت ترتیب سے بیان اور مرتب کیا جائے جس کی مدد سے قارئین مواد کو دیکھے بغیر کیٹلاگ کارڈ کو دیکھ کر ہی اپنے مطلوبہ مواد کے بارے میں جان سکیں۔ ریڈنگ ہال سے چند قدموں کے فاصلے پر انٹرنیٹ کیفے ہے، یہاں دس کمپیوٹر انٹرنیٹ کی سہولت کے ساتھ موجود ہیں۔ طلبا انٹرنیٹ کی مدد سے اپنی مطلوبہ معلومات حاصل کرتے ہیں۔ بالائی منزل پر نیوز پیپر سیکشن ہے یہاں ایک وقت میں تمام اردو، سندھی اور انگریزی اخبارات اور رسائل دستیاب ہوتے ہیں۔ نوجوان حالات حاضرہ سے باخبر رہنے کے لیے اخبارات کا مطالعہ کرتے ہیں اور روزگار کے لیے اسامیوں کے اشتہارات دیکھتے ہیں۔

قارئین محترم! یہ ہے شمس العلما ڈاکٹر عمر بن محمد داؤد پوتہ لائبریری کا آنکھوں دیکھا احوال، لائبریری کو مزید بہتر بنانے کی گنجائش موجود ہے۔ لائبریری میں فرنیچر، کتب کی تعداد میں مزید اضافہ لازمی ہے۔ صاف پینے کے پانی کی فراہمی کو یقینی بنایا جانا چاہیے۔ بجلی کے نظام کو درست کیا جائے اور لائبریری کو لوڈ شیڈنگ سے مستثنیٰ کیا جائے۔ لائبریری کا ماحول خوش گوار ہونا چاہیے تاکہ طلبا سکون سے اپنی پڑھائی پر بھرپور توجہ دے سکیں۔

لائبریری میں کرسیاں کم ہیں اور یہاں آنے والے لوگوں کی تعداد زیادہ ہوتی ہے اسی لیے سبھی کو کرسیاں نہیں ملتیں اس وجہ سے طلباء اور طالبات کو فرش پر بیٹھنا پڑتا ہے۔

اس لائبریری سے استفادہ کرنے والوں میں طلبہ و طالبات کی اکثریت ہے جو صبح سویرے لائبریری کے دروازے پر قطار باندھ کر کھڑے ہو جاتے ہیں۔ جو پہلے پہنچتا ہے کرسی اسی کو ملتی ہے۔ افسران بالا کئی بار لائبریری کی توسیع کے لیے دورے کرتے رہتے ہیں مگر کوئی پیش رفت نظر نہیں آتی۔ عمارت پہلے سے موجود ہے لیکن اسے بطور لائبریری قابل استعمال بنانے کے لیے مرمت اور تبدیلیوں کی ضرورت ہے۔ یہ لیاقت میموریل لائبریری، کراچی اور بچل سرمست لائبریری، خیرپور میرس کے بعد سندھ کی تیسری بڑی پبلک لائبریری ہے۔ لائبریری میں سندھی، اردو، انگریزی اور چند عربی اور فارسی کی تقریباً ایک لاکھ کتابوں کا ذخیرہ ہے۔ بچوں کے لیے تقریباً 5000 کتابیں ہیں۔

تعلیم کے فروغ کے لئے پاکستان کے تمام شہروں میں لائبریریوں کی تعداد میں اضافہ اور سرکاری سطح پر معاونت کی جائے۔ اس مہنگائی کے دور میں کتابوں کی قیمتیں بہت زیادہ ہیں لہٰذا لائبریری ایک مؤثر ذریعہ تعلیم ہے۔ حیدرآباد میں لائبریریوں کا فقدان ہے۔ جس کی وجہ سے طلباء کو پریشانی کا سامنا ہے۔

شمس العلما ڈاکٹر عمر بن محمد داؤد پوتہ لائبریری حیدرآباد کا تاریخی ورثہ ہے لہٰذا اس کی حفاظت کرنا ہمارا قومی فریضہ ہے۔ مستقبل کے نوجوانوں کی بقا اسی میں ہے۔ ۞

☆ 1948 سے 2023 تک جو کچھ دیکھا۔ 860 صفحات میں بیان کردیا ہے۔
☆ راجپورہ (بھارت)۔ جھنگ۔ لاہور۔ کراچی میں گزری صبحیں دوپہریں راتیں
☆ سیاسی لیڈروں۔ جرنلوں۔ میڈیا مالکان۔ بیوروکریٹس کے دن رات
☆ سیاسی پارٹیوں کا طلوع و غروب۔ ایک ایک دن گنتے 80 سال

جو لکھنا چاہیے۔ وہ بھی
جو نہیں لکھنا چاہیے۔ وہ بھی

آپ کو سب کچھ پڑھنا چاہیے۔
اپنی اولادوں کو بھی پڑھ کر سنائیں۔

آرڈر کیجیے۔ گھر پر پہنچانے کا انتظام ہے
اٹلانٹس پبلی کیشنز
021-35050786 , 0300-2472238
واٹس ایپ: 0348-2568546

تعارف:

محمد راشد اطہر شاعر اور نثر نگار ہیں۔ وہ پیشے کے اعتبار سے استاد ہیں۔ انہوں نے کراچی یونیورسٹی اور ورچوئل یونیورسٹی آف پاکستان سے BEd ،MEd ،MBA اور BSc کی ڈگریاں حاصل کیں۔ اپنی تعلیم کے دوران وہ اپنے والد رشید محمد سمیت پاکستان کے بہترین اساتذہ سے رہنمائی لیتے رہے ہیں۔ شعر و ادب میں دو ہستیاں جون ایلیا اور جاوید منظر ان کی سرپرست رہی ہیں۔ وہ بیکن ہائوس میں ریاضی کے استاد بھی رہے ہیں۔ اب علالت کی وجہ سے گھر کے ہوکر رہ گئے ہیں۔ ان کے لیے شفائے کاملہ کی دعائیں کریں۔ دو شعری مجموعے شائع ہونے والے ہیں۔ 'ریختہ' پر بھی ان کا کلام موجود ہے۔

غزل

راشداطہر۔کراچی

وہ دل پر ہاتھ ایسے مسکراکر رکھ گیا ہے
کہ اک پتھر کو آئینہ بنا کر رکھ گیا ہے
مری آنکھوں کو بے تعبیر سے کچھ خواب دے کر
وہ بے رنگی کو رنگوں سے سجا کر رکھ گیا ہے
نشاں کچھ انگلیوں کے گر پائے ہیں میں نے
یہ کون آکر مری چیزیں اٹھا کر رکھ گیا ہے
عجب اک چور تھا جو میرا کچھ سامان ہستی
بتا کرلے گیا تھا اور چھپا کر رکھ گیا ہے
یہاں کٹھ پتلیاں آرام کرتی ہیں تہہ خاک
جنھیں کوئی اشاروں پر نچا کر رکھ گیا ہے
میں اک خالی عمارت ہوں کسے معلوم راشد
دیا مجھ میں کوئی ایسا جلا کر رکھ گیا ہے

حنیف سحر۔ تمکنت۔ انکسار

حنیف سحر کے کہانیوں اور ڈراموں کی کہکشاں میں ایک چمکتا دمکتا ستارہ۔ 'اطراف' کے قلمی معاونین میں نمایاں۔ ہم نے جب بھی کسی موضوع پر گزارش کی انہوں نے ہمیں تقویت بخشی۔ ٹی وی چینلوں کے ڈراموں کے موضوعات ۔ اداکاری۔ اور ٹیکنیکل امور پر عبور رکھتے ہیں۔ نوجوانوں کے لیے مشعل راہ۔ اسی لیے ہم نے مصطفےٰ ہاشمی سے فرمائش کی کہ وہ 'حنیف سحر' کے بارے میں قارئین اطراف کو آگاہ کریں۔ بہت ہی دل نشیں تحریر۔ مصطفےٰ ہاشمی بھی مسلمہ ڈرامہ نویس ہیں۔

حنیف سحر۔ عہد ساز۔ فسوں کار

اپنی پہلی کہانی میں نے حنیف سحر کو سنائی

خستہ حال کمرہ۔ مگر کارل مارکس۔ لینن سب موجود

تحریر: مصطفےٰ ہاشمی

صبا نے پھر درِ زنداں پہ آ کے دی دستک

حرص و ہوس کی دنیا میں، جہاں لوگ گھات لگائے، ایک ہی سرعت میں کسی بڑی زقند کے منتظر رہتے ہیں۔ فکر کفاف میں کاندھے پھلانگتے، اخلاقیات کو روندتے، بے حسی کے لق و دق صحرا میں تمناؤں کی گٹھڑی سمیت کسی بے نام سی شام کی طرح غروب ہو جاتے ہیں، وہیں کچھ لوگ سود و زیاں کی گتھیوں سے بے خطر، اس دنیا میں فقط مہربان اور شجر سایہ دار بن کر جینے کو ترجیح دیتے ہیں۔ ان آشفتہ سروں کی پیش قدمی، موج حوادث روک سکتی ہے نا ان کا بھاؤ کسی بازار میں لگ سکتا ہے۔ خودداری ان کی ترجیح اور ہمدردی کی لالہ رنگ بہاریں ان کا اثاثہ ہوتی ہیں۔ یہی لوگ دھڑکنوں کی دھک دھک میں زندہ رہتے ہیں اور شاید ایسے ہی لوگوں کو عہد ساز کہا جاتا ہے۔ 1984 کے وسط سے اس تحریر کے تانے بانے ہم آہنگ ہوں تو کسی کو یہ سمجھنے میں دیر نہیں لگے گی کہ یہ کار پرداز کون ہے۔ جواہر نگاری کے کارواں سرائے میں کتنے ہی لعل و گہر آج بھی اپنی آب و تاب کے ساتھ جگمگا رہے ہیں اور فسوں ساز حنیف سحر، بلندی کے آخری پائیدان پر تمکنت اور انکسار کے ساتھ سایہ فگن ہے۔

جی ہاں......!! یہ اسی دور کا قصہ ہے۔ عشق انگیز یادوں کی اوٹ سے مجھے وہ گوری چٹی اور کرنجی آنکھوں پر نظر کا چشمہ لگائے نوجوان یاد آتا ہے جس سے میری دوستی کا آغاز الطاف قادری پاریکھ کی تنظیم ینگ رائٹرز کلب کی تقریب میں ہوا تھا۔ وہ میری زندگی کی پہلی ادبی نشست تھی اور حنیف کی اس تنظیم کے پروگرام میں پہلی آمد۔ الطاف نے مجھے بتایا کہ آج یہاں مشہور رائٹرز آئیں گے جن میں حنیف سحر بھی شامل ہیں اور ذرا ہی دیر میں مجھے اندازہ ہو گیا کہ رونق محفل کون ہے۔ میں نے یہاں کہانی سنانے سے قبل اپنے سینئر سے رائے لینا ضروری سمجھا۔ ہال کے ایک کونے کو گوشہ عافیت جان کر حنیف

قرۃ العین حیدر۔ سب سے زیادہ پسندیدہ

نے میری کہانی پڑھی اور جس دل کشائی سے میری تحریر کی تعریف کی، وہ بھرپور رویہ میری کامیابی کا پہلا زینہ بنا۔ حنیف کی سخن رسی کا میں قائل ہوا اور یوں لکھت پڑھت کے میدان میں دونوں ہم رکاب ہوئے۔ ان دنوں میرا اسٹی کالج ناظم آباد میں (انٹر میں) نیا نیا داخلہ ہوا تھا۔ کالج کی آخری کلاس ختم ہوتے ہی میں اپنے گھر جانے کی بجائے بس پکڑ کر قصبہ کالونی کا رخ کرتا۔ یہاں حنیف کا چھوٹا سا کفش خانہ تھا جو ماں کی محبت سے پرنور تھا۔ ایک طرف حنیف کا خستہ حال کمرا تھا جسے عالی شان کتابوں نے سجا رکھا تھا۔ ٹھیک سے یاد نہیں کہ حنیف کا تعلیمی سفر، نامساعد حالات کے سبب کب منقطع ہوا اگر اتنا ضرور یاد ہے کہ اس وقت تک، کمرے میں کارل مارکس، لینن کے علاوہ اردو ادب میں سب ہی نمایاں ادیبوں کی کتابیں موجود تھیں۔ آگ کا دریا اردو ادب کا آج بھی سب سے بڑا ناول تسلیم کیا جاتا ہے اور قرۃ العین حیدر حنیف کی آج بھی سب سے زیادہ پسندیدہ رائٹر ہیں۔ (آج اگر لاکھوں الفاظ اور سیکڑوں استعارے حنیف کے آگے سر جھکائے اپنے انتخاب کے منتظر ہوتے ہیں تو اس کے پیچھے ہزاروں کتابوں کی عرق ریزی شامل ہے۔) میرے مطالعے کے شوق کو حنیف کی سنگت نے اور مہمیز کیا۔ ہر اچھی کتاب پڑھ کر حنیف اسے میرے حوالے کرتا۔ یوں کم مدت میں برصغیر پاک و ہند کے ان گنت شاہکار میری آبیاری کا سامان بنے۔ نوجوانی میں شو آف کرنے اور اچھا دکھنے کی تمنا ہر نوجوان میں ہوتی ہے مگر

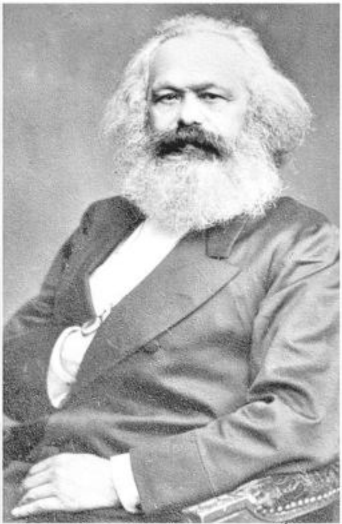

حنیف نمائشی چیزوں سے زیادہ کتابیں خریدنے میں دلچسپی لیتا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ علمیت کا پیراہن ہی دائمی ہوتا ہے اور یہ وہ حسن ہے جس کو زوال نہیں۔ حنیف کی ہم راہی میں سخن وری کا یہ عشق اب میری بھی سمجھ میں آچکا تھا۔

اس سے قطع نظر کہ حنیف نے بچوں کے لیے سیکڑوں کہانیاں لکھی ہیں یا اس کے پاس انعامات کا بہت بڑا خزانہ ہے۔ اس قبیل کے سیکڑوں ادیب، ہزاروں کہانیوں کے خالق بھی اُسے اپنا گرو مانتے ہیں۔ اس کی وجہ حنیف کی یافت و دریافت کی خداداد صلاحیت تھی جب اس نے ''ٹوٹ بٹوٹ'' کی ادارت سنبھال کر بچوں کے ادیبوں کی پوری بریگیڈ تیار کی۔ جو آج اپنے اپنے شعبوں میں نمایاں حیثیت کے حامل اور کامیابی سے زندگی کر رہے ہیں۔

اس عہد کی ایک خوش قسمتی یہ بھی تھی کہ اسے محمود شام جیسے کہنہ مشق اور جید صحافی، مہ ناز رحمان، شمع زیدی اور مظہر یوسف زئی جیسی نابغۂ روز گار شخصیات کی سر پرستی حاصل ہوئی۔ ماہ و سال کی گردشوں میں کتنے ہی نامور لکھاری آئے اور ادب کے آسمان پر کہکشاں بن کر چمکے۔ ان کی تابانی میں کہیں نہ کہیں حنیف سحر کی کوششوں کو بھی دخل تھا۔ لفظوں کی کشیدہ کاری سے جذبوں کو پیرہن دینے والے ہر دور میں عظیم مانے جاتے رہے ہیں اور یہ ادراک حنیف کی گھٹی میں پڑا تھا۔ اُسے اچھی طرح سے خبر تھی کہ دروازے کو دستک اور پھول کو خوشبو کیسے زندہ رکھتی ہے۔ کس طرح تڑپ اور طلب کے مسافروں کو جذب کا سرود مرنے نہیں دیتا۔ زندگی کے پیمانے جدا ہی سہی مگر جلتے زخموں کے ساتھ زندگی کو دوام دینے کا لطف ہی کچھ اور ہوتا ہے۔ وبائے ہجر میں جب خاموشی بھی سخن ساز نا ہو، تو درد کی داد سمیٹنا بڑے جگرے کا کام ہے۔ تربیت کا فلسفہ، سماجی رویوں سے بدلاؤ کا ہنر اور قصر انا سے اتر کر خود داری کے ساتھ مقابلہ کرنے کے لیے حنیف کی زندگی جینا پڑتی ہے اور یہ عشق نہیں آساں، اک آگ کا دریا ہے اور ڈوب کے جانا ہے۔

بے شُمار میگزین۔ مگر ندرت۔ نفاست کو ترجیح

حنیف کی صحافتی زندگی کی داستان بھی ہزار ہا پرتوں پر مشتمل ہے۔ یہ اتار چڑھاؤ تفصیل کی نذر ہوئے تو ایک نئی کتاب جنم لے گی۔ بس اتنا سمجھ لیجیے کہ بے شمار میگزینوں کی ادارت، ان گنت دھماکے دار انٹرویوز، کالم، اور فیچرز میں حنیف نے ندرت و نفاست کا توازن کبھی بگڑنے نہیں دیا۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ بے شمار قد آور شخصیات حنیف کو انٹرویو دینے سے قبل ''حفاظتی بیلٹ'' باندھ لیا کرتی تھیں۔ سوالوں کی بوچھار کے بعد جب مہمان یہ سمجھتا کہ طوفان اب گزر گیا ہے، تب ترکش سے نیا تیر چھوڑنا حنیف کا روایتی مشغلہ تھا۔ یہی وجہ تھی کہ انٹرویو میں ''الٹرا ساؤنڈ'' کے خواص بھی ملتے تھے اور بعد میں کالز آتی تھیں۔

''پلیز حنیف صاحب، آپ نے تو سب کچھ اگلوا کر رکھ دیا۔ ہمیں جو نہیں کہنا تھا، آپ نے وہ بھی بتانے پر مجبور کر دیا مگر خدارا، اسے لکھئے گا مت، ورنہ ہمارے لیے بڑے مسئلے ہو جائیں گے"

ایک نڈر، بے خوف، بے باک اور جرات مند صحافی ہونے کے باوجود حنیف نے رویوں کو کھوکھلا اور بے وقعت نہیں ہونے دیا۔ اس نے ہمیشہ اخلاق، انکسار، احترام اور ادب کے تقاضوں کی پاسداری کی۔ لفظوں کی حرمت کو آسمانی صحیفہ، انسانیت کو معراج اور محبت کو عظمت کا مینارہ ہی سمجھا جس کا زندگی پر یہ اثر پڑا کہ حنیف کو ہر دور میں سماج کے رویوں سے باقاعدہ جنگ کرنا پڑی لیکن حنیف اس حقیقت سے باخبر تھا کہ سچائی کا راستہ ہمیشہ دشوار ہوتا ہے۔

حنیف قلم کے میدان کا وہ'' آل راؤنڈر ''ہے، جو پچ کے چاروں طرف چھکے لگانے میں آج بھی مشاق ہے۔ ہر زاویے سے نئی بات، ہر خیال سے انوکھی داستان اور ہر رخ سے ایک نیا طوفان کھڑا کرنا حنیف کی سرشت میں ہے۔ ہم سخنوں کی محفل ہو یا منچلوں کی بیٹھک، حنیف مجھے ہمیشہ اپنے خیالات سے جم غفیر کو ہپنا ٹائز کر کے اپنی تقلید میں جہاں چاہے لے چلنے کی استعداد رکھتا ہے۔ درخت اپنے ہی سائے میں خود کو جگہ دیتے ہیں اور حنیف وہ چھاؤں بھی دان کر دیتا ہے۔ ایسے لوگ اس کرہ ارض پر خال خال ہی ملتے ہیں۔ تو پھر ہمیں یہ مان لینا چاہیے کہ دل رباؤں کی دنیا میں، آہن ربا ایک ہی ہے جو بے کنار شبوں کی سحر خیزی کا منتظر، ہم دوشِ صبا، جگمگاتے، جھلملاتے خوابوں کی نقرئی پوٹلی اپنے سرہانے رکھ کر آج بھی بے چین روح کی طرح منتظر ہے!

سحر قریب ہے دل سے کہو نہ گھبرائے

شہر نمبر پر تاثرات

'اطراف' کے دفتر کے سامنے مسجد صدیق اکبرؓ کے خطیب اور امام مولانا ہدایت اللہ سدوخانی تمام ائمہ کی نسبت بالکل مختلف ہیں۔ انسانوں کی فلاح۔ شہروں کی فضا کا بھی خیال رکھتے ہیں۔ ستمبر میں شائع ہونے والے 'شہر نمبر' کے بارے میں ان کی رائے بہت پہلے مل گئی تھی۔ مگر ہم کتاب نمبر۔ پھر کتاب میلے میں مصروف رہے۔ ہم ان کے ممنون اور شکر گزار ہیں کہ انہوں نے 'اطراف' کا بغور مطالعہ کیا۔ اور شہر کے مسائل کے حل کے لیے۔ بہت ہی جدید اور موثر تجاویز عنایت کی ہیں۔

کراچی ماں ہے تو اس کے پاس نافرمان اولادیں

ترجیحات درست نہ ہوں تو شہر جنگل ہوگا

تحریر: مولانا ہدایت اللہ سدوخانی

جناب محمود شام نے مہربانی فرمائی کہ اکتوبر کا شمارہ "ماہنامہ اطرف" کا "شہر نمبر" ارسال فرمایا۔

یہ شمارہ چونکہ میرے شہر کراچی سے متعلق ہے۔ اسے غور سے پڑھنا ہے اور یہ نیت باندھ لی ہے کہ جو مضمون دل کو اپیل کرے اس پر اپنی رائے اور تاثرات لکھ سکوں۔

سب سے پہلے "ماہر شہریات" جناب عارف حسن صاحب کا انٹرویو سامنے ہے۔ بڑوں کی بڑی باتیں۔ ہمیں چونکہ نچلی سطح پر مسائل وسائل کا سامنا ہے تو چند باتیں عرض کرنی ہیں۔

عرض یہ ہے کہ باغات کے ثمرات تقریباً یقینی ہوا کرتے ہیں مگر اچھے نتائج کیلئے پہل باغباں کو کرنی پڑتی ہے۔

خدائی اسلوب دیکھئے

فاذکرونی اذکرکم۔ بقرہ آیت 152 (مجھے یاد کرو میں تمہیں یاد کروں گا)

لئن شکرتم لازیدنکم۔ سورہ ابراہیم آیت 7 (اگر تم شکر گزاری کرو گے تو نعمت بڑھادوں گا)

ان تنصروا اللہ ینصرکم۔ سورہ محمد آیت 7 (اگر تم اللہ کی مدد کرو گے تو وہ تمہاری مدد کرے گا)

آپ شہر یا دھرتی کو "ماں جیسی" کہہ کر اس میں جتنی بھی ممتا بھر لیں اس کی خدائی رحم و کرم کے آگے ذرے جتنی حیثیت بھی نہیں ہو سکتی۔

یہ شہر اگر ماں ہے تو یہاں کے باسی ہی اس کی نافرمان اولادیں ہیں۔

یہ ماں ان ہی بیٹوں سے شاکی ہے۔ جنہوں نے اس کے گیسو خاک آلود کئے ہیں۔ جنہوں نے اسے نوچ کھایا ہے۔ حکمران و عوام یکساں ذمہ دار ہیں۔ جب تک ترجیحات درست اور مخلصانہ نہیں ہوں گے تب تک شہر کا ہر اگلا قدم جنگل کی جانب ہوگا۔

عرصہ دراز سے میرا یہ نظریہ ہے کہ اس شہر کو حکمرانوں نے اتنا نہیں اجاڑا۔ جتنا اس کے باسیوں نے ادھیڑا ہے۔

قوموں کو صراط مستقیم (راہ راست) پر لانے میں دو چیزیں (خوف اور امید) بہت اہم ہیں۔ غلطی پر سزا کا خوف اور اطاعت پر انعام کی امید۔ اپنے شہر یا اپنے ملک کو ترقی یافتہ بنانے کی یہ دونوں ضمانتیں من حیث القوم ہم میں ناپید ہیں۔ "اپنے ملک" کا جملہ اس لئے کہا کہ باہر جا کر ہر پاکستانی میں یہ دونوں نعمتیں بھرپور ملتی ہیں۔

کہتے ہیں کہ کسی بیابان کو آباد کرنا ہو وہاں تک راستہ بنادیں۔ لوگ جا کر اسے آباد کردیں گے۔

غور کیجئے راستوں۔ سڑکوں اور گلیوں کے حوالے سے سب بے خوف ہیں۔

جہاں مرضی پتھارا۔ ٹھیلا پارکنگ کسی کو کوئی خوف نہیں

جہاں مرضی پتھارا۔ چھابڑی۔ ٹھیلا۔ دوکان کا سامان یا پارکنگ لگالیں۔ متعلقہ ادارے سے لے کر عدلیہ تک کسی کی سزا یا جرمانے کا کوئی خوف نہیں ہے۔ راستہ رک جائے۔ گاڑیاں گتھم گتھا ہو جائیں۔ ڈیوٹی پر موجود اہلکاروں کے کان پر جوں نہیں رینگتی۔ ایک طرف کھڑے گپیں لگا رہے ہوتے ہیں۔ دعا لینے کا شوق نہ اوپر سے سزا کا خوف۔

سڑکوں پر ٹرانسپورٹ کا لوڈ کم کرنے کی ضرورت ہے۔ میری نظر میں اس کے دو حل ہیں۔ ایک یہ کہ سڑک پر کوئی رکاوٹ نہ ہو۔

کوئی اللہ کا بندہ تحقیق کر کے گورنمنٹ کو اعداد و شمار کے ساتھ یہ بتلا دے کہ رکاوٹوں کی وجہ سے کتنا وقت اور فیول ضائع ہوتا ہے۔ بروقت منزل پر نہ پہنچنے سے کیا کیا نقصانات ہو رہے ہیں اور لوگوں کے دل و دماغ اور صحت و مزاج پر کتنا برا اثر پڑ رہا ہے تو شائد سڑک سے ناجائز پارکنگ۔ ٹھیلے اور خوانچے ہٹا دینا مفید معلوم ہو جائے۔

معیاری محفوظ۔ آسان سستی ٹرانسپورٹ چلائی جائے

سڑکوں کے اطراف اور پلوں کے نیچے سے ہرونچیوں اور قبضہ مافیا کو ہٹا کر خوانچے والوں کو کم کرائے پر دوکانیں دے سکتے ہیں۔ خالی زمینوں پر سرکاری مارکیٹیں اور کراچی صدر پارکنگ پلازے جیسی جگہیں بنا کر سڑک پر کھڑے ہونی والی گاڑیوں کو بالجبر وہاں بھیجا جائے۔ سڑک پر کھڑی گاڑی 10 دن کیلئے ضبط کریں یا 1 لاکھ کا جرمانہ لگادیں۔ کوئی بھی غیر قانونی پارکنگ کی جرات نہیں کرے گا۔ سعودیہ میں سگنل توڑنے کا فائن تقریباً 4 لاکھ پاکستانی روپے ہے۔ اسی لئے وہاں جگہ جگہ کانسٹیبل کھڑے نظر نہیں آتے۔

دوسرا یہ کہ معیاری۔ محفوظ۔ آسان اور سستی ٹرانسپورٹ چلائی جائے۔

معیاری: یعنی جس کے ٹائر کے سوا کچھ نہ چلے۔ ہارن کے سوا کچھ نہ بجے اور آرام دہ ہو۔ محفوظ: جس میں جان۔ مال۔ جیب۔ موبائل محفوظ ہوں۔ بس کی کھڑکی پر "جیب کتروں سے ہوشیار" لکھنا نہ پڑے۔

آسان: آمد بلا تاخیر ہو۔ اسٹاپ پر لمبے انتظار کی صعوبت اٹھانی نہ پڑے۔

میری رائے ہے کہ ایک ایپ متعارف کرائی جائے جس پر گھر بیٹھے بیٹھے مسافر دیکھ لے کہ مطلوبہ بس ان کے اسٹاپ سے کتنی دور ہے۔ کرائے کیلئے کارڈ جاری کیا جائے جو ایک بار خرید کر ری چارج ہو سکے۔ اس طرح اس ڈپارٹمنٹ کے پاس پیشگی بہت بڑی رقم آجائے گی۔

کرایہ ادا کرنے کیلئے بس میں کارڈ سویپ کرنے کی جگہ ہو۔ سویپنگ کے بعد ڈور اوپن ہو۔

کارڈ گم ہو جانے کی صورت میں دوسرا کارڈ آسانی سے مل جائے۔ گمشدہ کارڈ کی رقم نئے کارڈ میں بغیر بحث کے ٹرانسفر ہو جائے۔

سستی: کرایہ اتنا کم ہو کہ وہ جتنی بھی جمع تفریق کر لے اسے گورنمنٹ ٹرانسپورٹ سے سفر کرنا ہر لحاظ سے کم خرچ لگے اور انہیں اپنی گاڑی گھر پہ چھوڑ دینا میں ہی عافیت نظر آئے۔ جو شخص چار جیبل "گولڈن کارڈ" لے گا اسے ہفتے میں دو سفر فری ہوں گے۔ جو شخص دن میں 3 مرتبہ بس استعمال کرے گا اسے ایک سفر فری ملے گا۔ کارڈ ہولڈر کارڈ کئی دفعہ سویپ کر کے کئی ساتھیوں کا کرایہ اپنے کارڈ سے ادا کر کے ایک سفر فری لے سکتا ہے۔

500 سفر پورے ہونے پر 500 روپے کا لوڈ آپ کے موبائل پر موصول ہو جائے گا۔ اس طرح کے پیکج دیں جس پر لوگ راغب ہوں گے (منتظمین اس سے بہتر سوچ سکتے ہیں)۔

شہر کراچی کا ایک بڑا مسئلہ پرانی اور ناکافی سیوریج لائنیں اور ابلتے مین ہولز ہیں جو عوام اور سڑکوں کی صحت کی دشمن اور مہلک مچھروں کی آفزائش کا سبب ہیں مگر اس سے بھی بڑا مسئلہ ہماری ترجیحات ہیں۔ ہم شہر کے بجائے اپنی تنظیمی وابستگی کو ترجیح دینا اور ایک دوسرے کو نیچا دکھانے کی خوگر ہیں۔ اگر شہری اقتدار الف کو ملا ہے تو جیم نے تعمیری تنقید کے بجائے ایسی مخالفت کرنی ہے کہ کام ہی رک جائے۔ الف سیوریج لائنیں صاف کر دے تو سناٹے کے پہر جیم اس میں روڑے اڑا جائے گا۔ اسے برعکس کر لیں تو بھی منظر یہی ہے۔

شہر کراچی کا ایک بڑا مسئلہ پانی بیچنا ہے۔ منرل واٹر نہیں۔ ہمارے حصے کا پانی ہمیں بیچا جاتا ہے۔ ہزارہا چھوٹی سوزوکیوں سے لے کر بڑے بڑے ٹینکرز تک طرح طرح کی گاڑیاں ہمیں ہمارا پانی بیچ کر ہماری سڑکیں تباہ کرنے میں لگے ہوئے ہیں۔ ان "جھریوں" نے شہر کے چہرے کا حسن چاٹ لیا ہے۔

موجودہ ماہرین شہریات کی مہارت کا اندازہ اس سے لگالیں کہ انڈسٹریل ایریاز کی سڑکیں خاص طور پر تباہ و برباد رہتی ہیں۔ آپ کو لگے گا جیسے یہ ترقیاتی منصوبے کا لازمی حصہ ہے۔

دیہات کے لوگوں نے دیکھا ہوگا کہ گائے کا دودھ دوہتے وقت گائے مڑ کر دیکھتی ہے تو گوالا اسی کا تھن اس کے منہ کی طرف کر کے دودھ کی ایک بے ہنگم سی دھار مار دیتا ہے۔ جس کا کافی حصہ اس کے نتھنوں میں چلا جاتا ہے۔ گائے اسی کو چاٹ کر مطمئن ہو جاتی ہے۔ ہم اپنے دور کے ان ماہرین شہریات کی خدمت میں اتنی سی بات عرض کرنا چاہتے ہیں کہ ہمارے یہ "تھن" من دھن تمہارے لئے ہیں۔ تم بالٹیاں بھر لو مگر ایک تھرچی سی دھار ہمیں بھی۔ اے کاش۔ ۞

’اطراف‘ کے کتاب نمبر کا موضوع اس سال تھا۔’ہمارے اسکول۔ کتاب کے محافظ‘ جس کی پذیرائی ملک بھر میں ہوئی۔ سعدیہ سیما۔ ایک اسکول میں سینئر استاد ہیں تدریس کے شعبے کی ماہر۔ ان کی ایک تصنیف ”امّی“ پاکستان میں بہت مقبول ہوئی ہے۔ ’اطراف‘ کی فرمائش پر لکھی گئی یہ مختصر سی تحریر بہت جامع ہے۔ قارئین ’اطراف‘ اس اہم تحریر کو پڑھیں اور اپنی رائے سے نوازیں۔

ہمارے اسکول۔اب بھی کتاب کے محافظ

☆ تحریر: سعدیہ سیما

میرا شعبۂ تدریس سے تقریباً تیس برس پرانا تعلق ہے۔ اور کتابوں سے رشتہ اس سے بھی پرانا۔ ہماری نسل وہ نسل ہے جس نے ہوش سنبھالا تو ہمارے ہاتھوں میں موبائل

نئی نسل کا پہلا رشتہ کتاب سے نہیں موبائل فون سے

فون نہیں تھا۔اسی لیے بڑوں کی اُنگلی سے کتاب کے ورق تک ہمارا سفر بڑی جلدی طے ہوگیا۔ ہمارے بعد آنے والی تیسری نسل اس حوالے سے مختلف ہے کہ یہ ہوش سنبھالنے سے قبل ہی موبائل فون سنبھالنے کے قابل ہوجاتی ہے۔اور یہ رشتہ اتنا مضبوط ہوجاتا ہے کہ کتاب اب ایک سوتیلا رشتہ معلوم ہونے لگی ہے۔اس دور میں درسگاہیں ہی وہ واحد ذریعہ ہیں جن کی وجہ سے نئی نسل کا تعلق کتابوں سے برقرار ہے۔ بچّے اور کتابیں ہاتھوں میں اُٹھانے ، اُنگلی کو زبان سے تر کرکے ورق پلٹنے اور نظریں جما کر پڑھنے کے فن سے کسی حد تک آشنا ہے۔ گو کہ انٹرنیٹ کی سہولت اور آن لائن کلاس کی وجہ سے یہ تعلق کمزور پڑتا نظر آتا ہے لیکن پھر اسکولوں میں درسی کتب کی پابندی نے اس تعلق کو ٹوٹنے سے بچایا ہوا ہے۔ شعبۂ درس و تدریس سے وابستگی اور ٹیکسٹ بک رائٹر ہونے کی وجہ سے مجھے اس دشت کی سیاحی کا وسیع تجربہ ہے۔ پاکستان بننے کے بعد یقیناً اس حوالے سے کام بھی ہوا۔ ہم میں سے اکثریت نے اپنے بچپن میں گورنمنٹ اسکولوں سے حکومت سے منظور شدہ نصاب کے مطابق لکھی گئی سرکاری ٹیکسٹ بک بورڈ کی کتب سے پڑھا۔ ہمارے بچپن میں اچھے خاصے متوسط طبقے سے تعلق رکھنے والے لوگوں کے بچّے سرکاری اسکولوں سے ہی تعلیم حاصل کرتے تھے۔ ہر گلی محلّے میں ایک لائبریری ہوتی جہاں سے چند آنے کرایے پر ایک یا دو دن کے لیے کہانی کی کتاب پڑھنے کے لیے حاصل کی جاسکتی تھی۔ انگریزی زبان پر عبور ہو یا نہ ہو بچّوں کی اردو زبان پر گرفت جلد ہی مضبوط ہوجاتی۔ میری نسل کی اکثریت کے اساتذہ نے شاید کبھی کسی ٹریننگ ورکشاپ کا نام نہ سُنا ہو لیکن انھی اساتذہ سے پڑھ کر ہم اس قابل ہوجاتے کہ نہ صرف کتاب سے رشتہ قائم ہوجاتا

آکسفورڈ۔کتاب اکیڈمی۔ دانش پبلی کیشنز کا درسی کتابوں میں بڑا کام

بلکہ اکثر بچّے کہانیاں بھی لکھنی شروع کردیتے۔ رفتہ رفتہ لوگوں کی سوچ بدلنے لگی۔ پہلے بچّے انگریزی میڈیم اسکولوں میں جانا شروع ہوئے اور پھر خصوصی طور پر کیمرج اسکول لوگوں کی ترجیح بن گئے۔اب وہ دور آیا جب انگریزی زبان سے واقفیت ہی قابلیت کا معیار بن گئی۔ اردو زبان کی حیثیت صرف ایک مضمون کی ہی رہ گئی۔ اسکولوں نے اپنی اپنی ضرورت کے مطابق نصابی کُتب کا انتخاب کیا اس سارے عمل میں اچھی بات یہ

انگریزی قابلیت کا معیار۔ اُردو صرف مضمون

ہوئی کہ معاشرے میں بڑھتی ہوئی کتاب سے دُوری کے باوجود ان اسکولوں کی وجہ سے کتابوں سے رشتہ قائم رہا۔

آج سے پندرہ سال پہلے تک یہ مسئلہ سامنے آنے لگا کہ بچّے اردو نہیں پڑھنا چاہتے اور اب یہ مسئلہ ہے کہ بچّے کچھ بھی نہیں پڑھنا چاہتے۔اُن کا تمام وقت موبائل فون کے ساتھ گزرتا ہے۔ کسی بھی زبان سیکھنے کے عمل کے دوران سُننا اور اچھی زبان سُننا انتہائی ضروری ہے۔ فلموں اور ڈراموں میں غلط زبان کا بے دریغ استعمال زبان کی تنزلی کا باعث بنا۔ موبائل فون میں اردو رومن میں لکھنے کی وجہ سے طلبہ کی زندگی میں صحیح زبان سیکھنے کا عمل صرف درسی کُتب کی صورت میں موجود ہے۔ شعبۂ تدریس سے وابستہ افراد نے وقت کی اس اہم ضرورت کو سمجھتے ہوئے درسی کتابوں کے ساتھ ساتھ انگریزی اور اردو دونوں زبانوں کو سکھانے کے لیے ریڈرز کو اپنے اپنے نصاب میں شامل کیا تاکہ بچّوں میں اردو زبان و ادب کا استحسان پیدا ہوسکے۔اس حوالے سے مختلف پرائیوٹ پبلشرز مثلاً آکسفورڈ یونیورسٹی پریس، کفایت اکیڈمی، دانش پبلیکیشنز وغیرہ وغیرہ نے ٹیکسٹ بکس کے حوالے سے بڑا کام بھی کیا۔اس کے ساتھ ساتھ مختلف اسکولوں نے بھی اپنے اپنے طور پر ریڈرز متعارف کروائیں۔ یہاں پر یہ ذکر انتہائی ضروری ہے کہ اداروں کی یہ کاوشیں کتب کی تشکیل تک تو اپنے عروج پر ہوتی ہیں لیکن تدریسی عمل میں کمی رہ جانے کی وجہ سے کتاب سے وہ مقاصد پوری طرح حاصل نہیں ہونے پاتے جن کے لیے وہ تیار کی جاتی ہیں۔اس بات کو تسلیم کرنا چاہیئے کہ من حیث القوم اردو زبان سے دوری اب ہمارا امزاج بن چکا ہے۔ گھروں میں ماہانہ اردو رسائل اور اخبارات نہیں آتے۔اب اسکول ہی کسی حد تک کُتب کے محافظ ہیں۔ یہاں کُتب خانے یا لائبریریز ہوتی ہیں۔ کم از کم ان اسکولوں کی وجہ سے ہی طلبہ کُتب خانوں کے آداب سے واقف ہوتے ہیں۔ وہ مختلف اصنافِ سخن سے آشنائی حاصل کرتے ہیں۔ یہ اسکول ہی ہیں جو کسی حد تک اُس ادبی ورثے کی منتقلی کا سبب بنتے ہیں جو ہمیں اپنے بڑوں سے ملا ہے۔اب یہ ان اداروں سے وابستہ اربابِ اختیار کی ذمہ داری ہے کہ وقت کی پکار کے عین مطابق خلوص نیت کے ساتھ اپنی کاوشیں جاری رکھیں۔ ۞

اطراف 9 سال پہلے

’اطراف‘ جنوری 2015 کی جھلکیاں۔ اب 114 واں شُمارہ آپ کی خدمت میں پیش پیش۔ دسمبر 2014 بہت ہی المناک سال جب آرمی پبلک اسکول پشاور پر حملہ ہوا۔ کتنے معصوم بیٹے شہید ہوئے۔

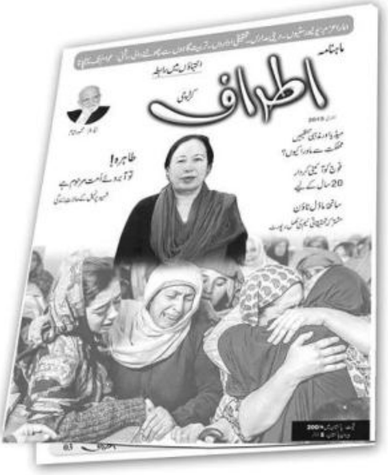

2018	2017	2016	2015	2014
2023	2022	2021	2020	2019

مرتب: محمد عبدالمعز

(اطرافیہ)

میڈیا اور مذہبی تنظیمیں مملکت سے ماورا کیوں

طاہرہ! تو آبروئے امت مرحوم ہے (ابنِ سلطان)

-طاہرہ قاضی 45 سال سے معلمی کے مقدس پیشے سے وابستہ تھیں
- بیٹے نے فون کیا تو انہوں نے کہا کہ مجھے بچوں کے والدین سے رابطہ کرنا ہے فون بند کردو
-اپنی جان کی پرواہ کیے بغیر وہ دہشت گردوں کے سامنے ڈٹی رہیں

قابلِ فخر پاکستانی (حلیمہ منصور)

-لیڈی ریڈنگ اسپتال کی 600 نرسوں کی سفید فوج موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھتی ہیں
-ڈبل شفٹ کرنے والی نرسیں بھی دھماکے کی اطلاع پر خود ہی ہسپتال پہنچ جاتی ہیں
-نرسیں صدمے کا شکار ہوتی ہیں لیکن نفسیاتی علاج کے لیے انہیں وقت ہی نہیں ملتا
-حکومت کا کم عمر نرسوں کے ساتھ سلوک بہتر نہیں

پشاور نامہ (حافظ ثنا اللہ)

-ان کے پاس آرمی والوں کی لسٹ بھی تھی ۔۔۔۔۔۔ وہ پکارتے کہ فلاں کا بیٹا کون ہے
- دہشت گردی کی منصوبہ بندی افغانستان کے صوبہ کنڑ میں ہوئی ۔۔۔۔۔ افغانستان ملا فضل اللہ کو پاکستان کے حوالے کردے

عوام نامہ (احمد آفتاب)

-مسائل پاکستانیوں کے۔ فکر امریکا اور دوسرے ممالک کو
-غیر سرکاری تنظیمیں قوم کو بہتری کی سمت لے جا رہی ہیں
-یو ایس ایڈ کے مالی تعاون سے سندھ اور اسلام آباد میں موبائل لائبریری پروگرام کا آغاز

اطراف 9 سال پہلے

❁ تجزیہ (سلمان عابد)

-افغانستان کا زیادہ انحصار پاکستان کی سیاسی نہیں فوجی قیادت پر ہے
-دونوں ایک دوسرے کی ضرورت۔ مگر ایک دوسرے سے دور
-کیا امریکا افغان حکومت کو آزادانہ فیصلے کرنے دے گا
-افغان طالبان نئی حکومت کو امریکا کی کٹھ پتلی سمجھتے ہیں

❁ دروغ بیانیاں (حق گو)

-پاکستان کی نئی کابینہ کے لیے نام سامنے آگئے
-ادبی بدعنوانیوں کی چھان بین۔ اب قومی احتساب بیورو کے ذریعے
-بہبود آبادی کے وزرا کے اپنے بچے

❁ اطراف سیر حاصل (عبدالحسیب خان)

-عدلیہ بحال ہوگئی۔ عدل بحال نہیں ہوا
-سرمایہ دار اور سرمایہ کار میں تمیز ناگزیر
-جس کی جتنی بڑی بلڈنگ۔ اتنا ہی بڑا چور
-پہلے قائداعظم کو پھر ان کے جانشین قائد ملت کو قتل کیا گیا

❁ قومی سلامتی (ڈاکٹر ارم خالد)

-قومی سلامتی اب محض سرحدوں کا دفاع نہیں
-عوام کا تحفظ نفرت سے نجات اور ملکی اداروں کی ہم آہنگی بھی ہے
-قوم بنانے کی بجائے گروہ بنانے پر زور دیا گیا
-کل جو ہمارے مہمان تھے۔ آج ہم پر ظلم ڈھا رہے ہیں

❁ دبئی بصیرت قسط 4 (شیخ محمد بن راشد ال مکتوم)

-عربوں کی ناکامی کا سبب۔ اپنی انفرادیت کو کچلنا
-عرب دنیا میں نوجوانوں کی حوصلہ افزائی نہیں کی جا رہی
-اپنی غلطیوں کی شناخت کر کے انہیں تسلیم کرنا چاہیے
-کارکنوں کی عزت نفس کی حفاظت کریں تو وہ بدلے میں آپ سے محبت کرتے ہیں
-بیوروکریٹس تبدیلی اور تخلیق کے سب سے بڑے دشمن ہیں

❁ تعلیم سے قوم کی تعمیر (ڈاکٹر سلمان شیخ)

-شہید ذوالفقار علی بھٹو انسٹی ٹیوٹ آف سائنس اینڈ ٹیکنالوجی (زابسٹ)
-بے نظیر بھٹو شہید کی کوششوں کا ثمر۔ 20ویں سال میں
-دبئی میں پاکستانیوں کے بچوں کے لیے معمولی فیس کے ساتھ اعلیٰ تعلیم
-توانائی کے شعبے میں گھارو میں 5 کلوواٹ بجلی پیدا کی جا رہی ہے

❁ فن تعمیر (ڈاکٹر غافر شہزاد)

-مرنے کے تیس ہزار سال بعد روح دوبارہ جسم کو ڈھونڈنے واپس آتی ہے

نیا سال مبارک

-فیصل مسجد کے ڈیزائن کو ترکی کے عوام نے مسترد کر دیا تھا۔ ہم نے قبول کر لیا
-باب پاکستان۔ مہاجرین کے اولین پڑاؤ کی علامت

❁ پینٹا گون کا نیا جنگی نقشہ قسط 2 (تلخیص سید عرفان علی یوسف)

-سرخ فوج غائب ہوگئی۔ امریکی دنیا کے واحد تھانیدار بن گئے
-2001ء میں امریکا میں فوج پر سول کنٹرول کا سنہرا موقع آیا مگر
-اقتصادی برتری میں ناکام امریکا عالمی طاقت بننے کے لیے مسلسل لڑ رہا تھا
-چین فوج کو ترقی دے رہا ہے۔ لیکن توجہ اقتصادی شعبے پر ہے
-چین نے بین الاقوامی تجارتی راستے بند کیے تو امریکی فوج کمزور پڑ جائے گی

❁ صدیوں سے پھیلتی روشنی (عبدالولی)

-جامعہ الدراسات الاسلامیہ۔ 21 سال سے دینی تعلیم میں مصروف
-9/11 کے بعد غیر ملکی طلبا واپس چلے گئے، عربی میں ہونے والی تدریس اردو میں ہونے لگی
-رئیس الجامعہ جامعہ ام القریٰ مکہ المکرمہ، مدیر و نائب مدیر جامعہ اسلامیہ مدینہ المنورہ کے فارغ التحصیل
-تحریری فتوے کے علاوہ فون پر مسائل کا حل جاننے کی بھی سہولت

❁ جدید دور۔ قدیم محکمے (اصغر عظیم)

-طاقت ور دولت مندوں سے بقا کی جنگ لڑتا محکمہ ڈاک
-پیغام رسانی۔ انسانوں کو جوڑنے کا مقدس پیشہ
-ایشیا میں ڈاک کے پہلے ٹکٹ کی چھپائی کا اعزاز سندھ نے 1854ء میں حاصل کیا
-پاکستان پوسٹ نے پہلا سرکاری ٹکٹ پاکستان زندہ باد '9 جولائی 1948ء کو شائع کیا

❁ سول ملٹری تعلقات (لیفٹیننٹ جنرل (ر) معین الدین حیدر

-رجب طیب اردوان نے سیاسی امور میں فوجی مداخلت ختم کی
-ترک مسلح افواج سیکولرازم کی خود سرپرست بن گئی تھیں
-کرد مسئلہ۔ اب بھی ترکی کے لیے ایک چیلنج

❁ "معیار" سے انتخاب (جیل یاترا)

-کراچی جیل، وارڈ نمبر 14، جھولی کھولی نمبر 7، یوسف شاہین کا قصور کیا ہے؟
-تھانیداروں کے ناپسندیدہ افراد غنڈہ عناصر قرار دے دیے گئے

❁ موسیقی (سدرہ طاہر)

-سارنگی۔ آخری سانسیں لے رہی ہے
-دنیا کا مشکل ترین ساز بجانے سے سروں کے سو رنگ نکلتے ہیں
-پاکستان میں سارنگی قریباً ختم۔ بھارت میں قدر و منزلت اب بھی

❁❁❁

اربن ریسورس سینٹر 1980 سے تا حال

شہری سہولتوں کے ماہر جناب عارف حسن کے اربن ریسورس سینٹر نے ملک بھر کے شہریوں کو اپنے مسائل اور ان کے حل سے آگاہی کے لیے مختلف منصوبے شروع کر رکھے ہیں۔بارشوں، سیلابوں، زلزلوں اور دوسری قدرتی آفات کے بعد اربن ریسورس سینٹر باقاعدہ امدادی کام بھی انجام دیتا ہے۔اربن ریسورس سینٹر رپورٹ کی پہلی قسط اکتوبر **2023** کے شہر نمبر میں شائع ہوئی تھی چوتھی اور آخری قسط میں تفصیلا بتایا گیا ہے کہ مختلف آفات اور حکومتی غلط پالیسیوں کے نتیجے میں ہونے والی تباہی سے کیسے نمٹا جاسکتا ہے۔ پڑھئے اور اپنی رائے دیجئے۔

منظور کالونی کی بہادر خواتین کی مزاحمت

اطراف رپورٹ

چوتھی اور آخری قسط

منظور کالونی نالے کے ڈیزائن میں تبدیلی کی جدوجہد:

اگست اور ستمبر 2020 میں کراچی میں طوفانی بارشیں ہوئیں اور پورا شہر ڈوب گیا جس کے نتیجہ میں بہت بڑے پیمانے پر تباہی ہوئی۔ذمہ دار اداروں نے سارا غصہ انہی نالے کے آس پاس رہنے والے غریبوں پر اتارا۔بارش تو چند گھنٹوں کی تھی اور ان کے گھروں سے (نالہ کے ساتھ) بھی پانی صرف صرف ڈھائی گھنٹہ میں نکل گیا تھا مگر وہی ہوا جو ہمیشہ ہوتا آیا ہے۔یعنی بارش کے چند دن کے بعد کے ایم سی کا عملہ منظور کالونی میں پھر سے آن دھمکا اور ساتھ ساتھ مکانوں پر نشان لگانے شروع کردیئے کہیں سوفٹ پر نشان لگا دیئے تو کہیں دو سوفٹ پر نشان لگائے گئے۔اس طرح ایک بار پھر علاقے میں قیامت برپا ہوئی کیونکہ ان نشانات کے مطابق ایک ہزار سے زیادہ مکان اور کئی سو دکانیں توڑنے کا منصوبہ بنایا گیا تھا۔لوگوں نے دوبارہ سرکاری دفاتر اور سیاست دانوں کے گھروں کے چکر لگانے شروع کردیئے تاکہ اس مصیبت سے نجات ملے مگر ان تمام کوششوں کا کوئی نتیجہ نہیں نکلا۔

اسی دوران منظور کالونی کے چند پرانے سماجی کارکنوں نے یوآرسی سے رابطہ کیا۔انہوں نے یوآرسی سے درخواست کی کہ نالے کے سروے اور نقشہ بنانے میں ان کی مدد کی جائے۔

یوآرسی نے ٹیکنیکل ریسورس سینٹر (TTRC) کے ساتھ مل کر ایک ٹیم تشکیل دی۔جسے سروے اور نقشے بنانے کا کام سونپا گیا۔اس ٹیم نے کمیونٹی کے ساتھ مل کر علاقے اور نالے کا سروے کیا۔TRC نے یہ تمام معلومات ایک نقشے کی شکل میں تیار کر کے کمیونٹی کے سامنے پیش کردیں۔اس سروے کے مطابق نالے کو زیادہ چوڑا کرنے کی ضرورت نہیں ہے اسی نالے کی صفائی کرکے اور اسی کے ساتھ 15 فٹ کی سڑک بنا کر مسئلہ حل ہوسکتا ہے۔اس طرح نالہ بارش کے دنوں میں بھرے گا نہیں اور علاقے کے مکانوں کو توڑنے سے بچایا جاسکتا ہے۔

کمیونٹی کے لوگوں نے یہ نقشہ کے ایم سی (KMC) کے حکام اور صوبائی وزراء کے سامنے پیش کیا۔ان کو بتایا گیا کہ اس نالے کو چوڑا کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔صوبائی وزراء نالے کے اس نئے ڈیزائن پر کافی حد تک مطمئن ہوگئے اور انہوں نے وعدہ کیا کہ وہ نالے کے ڈیزائن میں تبدیلی کرنے کی کوشش کریں گے۔

19 نومبر 2020 کو کے ایم سی کا عملہ بلڈوزر اور بھاری پولیس نفری کے ساتھ منظور کالونی نالہ پر پہنچ گیا۔علاقے کے مرد حضرات کے ایم سی کے عملہ سے بات کرنے کے لیے کشمیر کالونی (زیرو پوائنٹ) پر جمع ہوگئے۔مگر اسی دوران بلڈوزر اور پولیس نے لوگوں کو یہاں مصروف کرکے دوسری طرف سے آپریشن شروع کرنے کی۔اس طرف گھروں میں صرف خواتین ہی تھیں۔جن میں اکثریت ڈری سہمی تھی۔لیکن کچھ خواتین ایک دوسرے کی ہمت بندھواتے ہوئے سامنے آئیں اور بلڈوزر کے ساتھ ہی سڑک پر بیٹھ گئیں دوسرے لفظوں میں بلڈوزر کا راستہ روکنا چاہا۔پولیس نے لاٹھی چارج کیا۔مار کٹائی بھی کی مگر یہ عورتیں بلڈوزر کے سامنے ایک مضبوط چٹان کی صورت کھڑی رہیں۔ان خواتین کی ہمت کو دیکھتے ہوئے علاقے کے ہزاروں افراد جمع ہوگئے اور مجبوراً کے ایم سی عملہ کو اپنی کاروائی مؤخر کرنی پڑی۔خواتین کے گھروں سے باہر نکلنے اور احتجاجی مظاہرہ پر اس ساری کاروائی کو میڈیا پر بہت زیادہ کوریج

> **مکان ٹوٹنے سے بچ گئے۔این ای ڈی کے منصوبے میں متاثرین سے مشورہ نہیں کیا گیا**

ملی ۔جس کی وجہ سے حکومتِ سندھ اور کے ایم سی کو مجبوراً اپنے منصوبے تبدیل کرنے پڑے ۔اس طرح چند خواتین کی ہمت اور بہادری سے نہ صرف یہ کاروائی رکی بلکہ سینکڑوں کی تعداد میں مکان ٹوٹنے سے بچ گئے۔

چند دنوں بعد حکومتِ سندھ نے اعلان کیا کہ منظور کالونی کے نالے کا نیا ڈیزائن بنایا جائے جس کے لیے سروے کا کام دوبارہ شروع ہوگا۔ یہ سارا کام اب این ای ڈی یونیورسٹی (شعبہ شہری منصوبہ بندی) کریگی۔این ای ڈی نے ایک ماہ کے اندر منظور کالونی کے نالے کا متبادل منصوبہ تیار کرلیا۔اس منصوبے کے تحت نالے کی چوڑائی میں معمولی اضافہ کیا گیا اور نالے کے ساتھ 15 فٹ کی سڑک اور 5 فٹ فُٹ پاتھ کے لیے جگہ چھوڑ دی گئی ۔مذکورہ متبادل منصوبے کی زد میں صرف 56 مکان مکمل طور پر اور دیگر کئی مکان جزوی طور پر متاثر ہورہے تھے۔اس کے ساتھ ہی حکومت نے متاثر ہونے والے مکانوں کے لیے معاوضہ کا بھی اعلان کیا۔معاوضہ کی یہ رقم اخباری اطلاعات کے مطابق 3 لاکھ 60 ہزار روپے ہے۔اس کی پہلی قسط 90 ہزار روپے ہے جو متاثرین کو مکانات توڑتے وقت ادا کردی گئی ۔جبکہ دوسری قسط حکومتی ذرائع کے مطابق ہر 6 ماہ بعد دینے کا اعلان کیا گیا تھا۔

مقامی لوگوں کا کہنا ہے کہ معاوضہ کی رقم بہت کم ہے اور قسطوں میں ادائیگی سے اس کی اہمیت بھی ختم ہوجاتی ہے مگر علاقے کے لوگوں کو این ای ڈی کے سروے پر ایک اعتراض بھی تھا جو بہت بنیادی تھا کہ اس سروے کے دوران ان سے کوئی بات چیت نہیں کی گئی بلکہ یہ پورا عمل ڈرون ٹیکنالوجی اور گوگل میپ کی مدد سے ہوا تھا ۔یہ اعتراض بالکل درست تھا۔ بہت مناسب ہوتا کہ اس منصوبے کی تیاری میں متاثرین سے بات کی جاتی ۔ان کے علاقے کا سروے کرتے ہوئے زمینی حقائق معلوم کئے جاتے اور ان سے رائے بھی لی جاتی۔

7۔دیگر ہاؤسنگ پروجیکٹس

7.1 آواران: زلزلہ متاثرین کی بحالی کا پروگرام

24 ستمبر 2013 کو صوبہ بلوچستان کے ضلع آواران میں ایک شدید زلزلہ آیا جس کی شدت 7.7 تھی اس کے نتیجہ میں 50 کے قریب ہلاکتیں ہوئیں اور لاتعداد مکانات مکمل طور پر تباہ ہوئے۔آوران شمال مشرقی بلوچستان میں کوہِ سلیمان کے پہاڑی سلسلہ کے درمیان واقع ہے۔آوران ایک بہت ہی پس ماندہ ضلع ہے یہاں صحت، تعلیم، بجلی، سڑکیں ناپید ہیں۔زلزلے کے بعد نومبر 2013 میں یوآرسی اور ٹی آرسی کا دورہ کیا۔اس دورہ میں زلزلہ متاثرین کی بحالی پروگرام شروع کرنے کا جائزہ لیا۔ٹیم کی جانب سے مختلف گاؤں کا دورہ ہوا ۔ دورہ میں زلزلہ متاثرین کی بحالی پروگرام شروع کرنے کا جائزہ لیا گیا۔ٹیم کی جانب سے مختلف گاؤں کا دورہ بھی کیا گیا۔ان کے مطابق یہاں سارے مکان زلزلے کی وجہ سے گر گئے تھے (لوگ بے گھر ہونے کے بعد کھلے آسمان تلے سخت سردی میں زندگی گزار رہے تھے)۔

کمیونٹی کے مختلف لوگوں سے جب بات چیت ہوئی تو انہوں نے کئی

اربن سینٹر نے آواران کے زلزلہ زدگان کی مدد کی

مسائل کی جانب نشان دہی کی ۔مگر سب سے اہم ٹوٹے ہوئے مکانوں کی تعمیر اور پینے کے پانی کی فراہمی کا تھا۔

یوآرسی ٹیم نے یہ مشاہدہ کیا کہ لوگوں نے اپنے مکان کی دیواریں تعمیر کرنا شروع کردی تھیں مگر ان کو چھتوں کی تعمیر میں مشکلات کا سامنا تھا ۔کیونکہ یہ سامان مقامی طور پر دستیاب نہ تھا اور ان کی قیمتیں بھی بہت زیادہ تھیں۔اس لیے کمیونٹی کے لوگوں سے بات

چیت کے ذریعہ یہ طے پایا گیا کہ لوگ اپنی دیواریں خود تعمیر کریں گے اور یوآرسی ان کی چھت کے تعمیر کے لیے سامان فراہم کرے گا۔ دسمبر 2013 سے اس منصوبے پر کام شروع ہوا۔یوآرسی نے کراچی سے آوران زلزلہ متاثرین کے لیے چھتوں کا سامان روانہ کرنا شروع کیا۔کمیونٹی کی خود اپنی کمیٹی نے گاؤں گاؤں سروے کر کے سب

سانگھڑ۔میرپور خاص اور عمر کوٹ میں سیلاب متاثرین کی بحالی

سے زیادہ ضرورت مند متاثرین کی فہرست بنانی شروع کردیں۔اس طرح کمیونٹی کی نگرانی میں مکانوں کی تعمیر کا کام شروع ہوگیا۔

واضح رہے اس زلزلہ میں زیادہ تر دور دراز کے گاؤں متاثر ہورہے تھے جن تک رسائی بہت مشکل تھی اس پہاڑی علاقے میں سڑکیں بالکل موجود نہیں تھیں۔دیہاتی علاقوں میں اکثر لوگ مٹی کے بنے ہوئے گھروں میں رہتے ہیں۔عام طور پر ہر خاندان کا ایک کمرہ پر مشتمل گھر ہوتا ہے۔آوران میں بھی خاندانوں کے ایک کمرہ والے گھر تھے۔

اس منصوبہ کے تحت یوآرسی نے آواران میں لوگوں کو 1500 مکانات تعمیر کرنے میں مدد فراہم کی ۔یہ مکان جھگی نما ہیں جن میں دونوں طرف ڈھلان (سلوب) ہے۔دیواریں مٹی، پتھر اور بانس سے بنائی گئیں۔حالانکہ چھت کے لیے بانس، اسٹیل کے گاڈر، چٹائی، پلاسٹک، رسی اور دیگر سامان یوآرسی نے فراہم کئے۔مکانوں کی تعمیر کے ساتھ ساتھ لوگوں کو پانی کی وصولی کے لیے بورنگ، ہینڈ پمپ، ٹنکی اور پائپ بھی فراہم کئے گئے اس منصوبے کے تحت 25 سے زائد گاؤں میں کام کیا گیا۔

7.2 سیلاب متاثرین کی بحالی کا پروگرام

اربن ریسورس سینٹر نے تین مختلف اضلاع میں سیلاب متاثرین کی بحالی کا پروگرام شروع کیا ہے۔یہ منصوبہ تین اضلاع میں شروع کیا گیا ہے جن میں سانگھڑ، میرپور خاص اور عمر کوٹ شامل ہیں۔اس پروگرام پر عمل درآمد کرنے کے لیے جو مقامی تنظیمیں یوآرسی کا ساتھ دے رہی ہیں وہ درج ذیل ہیں۔

1. Desert & Rural Development Organization
2. Roshan Samaj Development Organization
3. Mehran Education & Health Welfare Organization

اس منصوبے کے دو حصے ہیں۔

1۔سیلاب متاثرین کی بحالی

2۔ضلعی سطح پر ایک پلیٹ فارم کا قیام

سیلاب متاثرین کی بحالی

یہ پروگرام جون 2021 میں شروع کیا گیا تھا۔ابتداء میں اس میں زلزلہ متاثرین کو چھت کی تعمیر کے لیے سامان فراہم کئے جارہے

تھے مگر بعد میں 2022 کے زلزلے کے بعد اس پروگرام کو توسیع دی گئی اس میں پروگرام کے تحت سپورٹ میں مزید اضافہ کیا گیا۔ اس کے پروگرام میں سیلاب متاثرین کو درج ذیل شعبوں میں مدد فراہم کی جا رہی ہے۔

i۔ چھت کے لیے تعمیراتی سامان کی فراہمی
ii۔ ٹوٹے ہوئے گھروں کی تعمیر و مرمت (Repairaing & Construction) میں مدد کی فراہمی
iii۔ پینے کے پانی کے لیے ہینڈ پمپ اور ٹنکی کی تعمیر
iv۔ ٹوائلٹ کی تعمیر
v۔ سولر اسٹریٹ لائٹ کی فراہمی

i۔ چھت کے لیے تعمیراتی سامان کی فراہمی:
اس پروگرام کے تحت جن خاندانوں کے گھر سیلاب کے دوران ٹوٹ گئے تھے ان کو چھت کی تعمیرات کے لیے سامان فراہم کرنا تا کہ وہ اپنے گھروں کی تعمیر دوبارہ کر سکیں۔
دیہی علاقوں میں عام طور پر غریب خاندان مٹی کے گھروں میں رہتے ہیں۔ یہ گھر ایک کمرے پر مشتمل ہوتے ہیں۔ یہ دیکھا گیا ہے کہ گھروں کی تعمیر میں عورتیں اہم کردار ادا کرتی ہیں۔ یہ گھر کی دیواریں اپنی مدد آپ کے تحت خود تعمیر کرتی ہیں۔ مگر چھت کی تعمیر ان کے لیے ممکن نہیں۔ اکثر یہ چھت کے لیے چٹائیاں اور گھاس پھونس استعمال کرتی ہیں جو غیر مستحکم اور ناپائیدار ہوتی ہیں اور سردی، گرمی اور بارش سے محفوظ رہنا ممکن نہیں ہوتا۔ اس لیے یوآرسی نے اس پروگرام کے تحت ان متاثرین کو گاڈر، بانس، چٹائی، چک، پلاسٹک اور دیگر اشیاء فراہم کر رہی ہے تا کہ یہ پائیدار اور موسمی حالات سے محفوظ رہنے والی چھت تعمیر کر سکیں۔
اس پروگرام کے تحت جو خاندان اپنے مکان کی دیواریں بنا لیتے ہیں تو پھر ان کو چھت کا سامان فراہم کر دیا جاتا ہے۔

ii۔ مکانات کی مرمت میں تکنیکی معاونت
سیلاب متاثرین میں کئی گھر ایسے بھی ہیں جنہیں زیادہ نقصان نہیں ہوا اسی لیے انہیں معمولی نوعیت کی مرمت کی ضرورت ہے۔ اور ایسی مرمت کے لیے متاثرین وہ سامان خود سے خریدنے کی سکت نہیں رکھتے۔ ان متاثرین کو وہ اشیاء فراہم کر دی جاتی ہیں تا کہ وہ اپنے مکان کی جلد از جلد مرمت کر کے اسے رہائش کے قابل بنا سکیں۔

iii۔ پینے کے پانی کے لیے ہینڈ پمپ اور ٹنکی کی تعمیر
ان چھوٹے چھوٹے گاؤں میں پینے کے پانی کا حصول ایک بڑا مسئلہ ہے۔ اکثر خواتین کو طویل فاصلہ طے کر کے پانی لانا پڑتا ہے جس میں ان کو سخت مشکلات کا سامنا ہوتا ہے۔ اس مشکل کو دور کرنے کے لیے یوآرسی کے متاثرین کی بحالی کے لیے ہینڈ پمپ اور ٹنکی کی تعمیر بھی شامل ہے۔ جس کے تحت اب طویل فاصلہ طے کرنے کی بجائے لمبی پائپ بچھا کر ہینڈ پمپ کے ذریعہ پانی گھروں تک لانا قدرآسان ہو گیا ہے اس طرح یہ عورتیں کافی محنت اور مشقت سے بچ جاتی ہیں اور انہیں صاف پانی بھی گھر پر میسر ہو جاتا ہے۔

iv۔ ٹوائلٹ کی تعمیر
ان چھوٹے دیہات میں ٹوائلٹ نہ ہونا ایک اہم مسئلہ ہے۔ اس کی وجہ سے عورتوں، بچوں اور بزرگوں کو خاص پریشانی کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ ان کو مناسب وقت، صحت، بے پردگی، شرم و جھجک، بے اطمینانی کے ساتھ ساتھ جنسی ہراسگی کا بھی سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اسی لیے اس بحالی پروگرام میں ایک حصہ ٹوائلٹ کی تعمیر کا بھی رکھا گیا ہے۔ ہر تین سے پانچ خاندانوں کے لیے ایک عدد ٹوائلٹ تعمیر کیا جاتا ہے۔

سیلاب زدہ علاقوں میں شہری سہولتوں کی فراہمی

ٹوائلٹ اس طرح تعمیر کیے جاتے ہیں کہ ان میں رفع حاجت کے علاوہ نہانے کے لیے بھی جگہ موجود ہے۔ ان کی تعمیر سے اب خواتین کو کافی سہولت اور اطمینان مل گیا ہے۔

v۔ سولر اسٹریٹ لائٹ کی فراہمی
ان دور دراز گاؤں میں ایک سب سے بڑا مسئلہ بجلی کی عدم فراہمی ہے۔ جس کی وجہ سے سورج ڈھلتے ہی یہاں مکمل اندھیرا ہو جاتا ہے۔ پہلے لوگ لالٹین جلاتے تھے مگر تیل کی قیمتیں بڑھنے سے اب وہ بھی ممکن نہیں رہا۔ اس مسئلہ کو حل کرنے کے لیے یوآرسی سولر اسٹریٹ لائٹ فراہم کر رہی ہے جس سے اب لوگوں کو یہ سہولت میسر ہے کہ رات کے وقت ان کے پاس روشنی ہوتی ہے اور اس روشنی میں یہ لوگ اپنے کئی گھریلو کام کاج کر سکتے ہیں۔

شہری مسائل پر بیداری کے لیے مسلسل جدوجہد

7.2(2) ضلعی سطح پر پلیٹ فارم کا قیام
اس پروگرام کا ایک اہم کام ضلعی سطح پر پلیٹ فارم مہیا کرنا ہے جس کا مقصد شہریوں، حکومت اور کمیونٹی کے درمیان گفتگو اور معلومات کا تبادلے سے ضلع کے مسائل کو سمجھنے اور ان پر بات چیت کے لیے فورمز کا ایک سلسلہ بھی شروع ہو۔ اس سلسلہ میں ضلع سانگھڑ، میرپور خاص اور عمرکوٹ میں فورمز اور نیٹ ورکنگ کا سلسلہ جاری ہے۔ ان فورمز میں شہری مسائل، کمیونٹی کے مسائل کے ساتھ دیگر اہم مسائل پر بھی گفتگو کی جاتی ہے۔

یوآرسی تنظیمی ڈھانچہ

ہر 2 سال کے بعد ایگزیکٹیو بورڈ کا یوآرسی ممبران کے درمیان چناؤ ہوتا ہے۔ یہ ایگزیکٹو بورڈ یوآرسی کی سرگرمیوں کا تعین اور انکی مانیٹرنگ کرتا ہے۔ آفس اسٹاف یوآرسی میں ڈائریکٹر کی معاونت سے ایگزیکٹو بورڈ کی رہنمائی سے یوآرسی کی سرگرمیوں کو باقاعدہ آگے بڑھانے کا ذمہ دار ہوتا ہے۔

یوآرسی کی کامیابیاں

اگر یوآرسی کی کامیابیوں پر نظر ڈالی جائے تو سب سے اہم کام ایک پلیٹ فارم کی تشکیل ہے جہاں مختلف اسٹیک ہولڈرز شہر کے ترقیاتی مسائل پر گفتگو کرتے ہیں۔ یوآرسی نے کئی اہم منصوبوں پر بحث ومباحثے کو فروغ دیا۔ اس بحث کے نتیجہ میں ان منصوبوں کے مثبت اور منفی پہلوؤں کو اجاگر کیا گیا۔ جس کے نتیجہ میں کئی منصوبوں میں تبدیلیاں بھی ہوئی ہیں۔
یوآرسی خصوصی طور پر ترقیاتی منصوبوں کے ان پہلوؤں پر نظر رکھتی ہے جن میں سماجی، معاشی اور ماحولیاتی اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ ان اثرات کے منفی پہلوؤں کو عوام کے سامنے لایا جاتا ہے تا کہ ان منفی اثرات کی شدت کو کم کیا جا سکے۔
یوآرسی نے کئی منصوبوں کے سماجی اور معاشرتی پہلوؤں کا جائزہ بھی پیش کیا۔ عام طور پر تمام تر منصوبہ بندی غریب اور کم آمدنی والی آبادیوں کے حق میں نہیں ہوتی۔ منصوبہ بندی کے حل میں غریبوں کو فائدہ دینے کے بجائے ان کو نقصان پہنچانے پر مبنی ہوتے ہیں۔ ان منصوبوں کے ذریعہ ان آبادیوں کو بے دخل کیا جاتا ہے اور ان کے کاروبار کو تباہ کیا جاتا ہے۔
یوآرسی نے منصوبہ بندی کے اس پہلو کو اجاگر کیا ہے اور معلومات کے ذریعہ لوگوں کی مدد کی تا کہ وہ اپنے سماجی اور معاشی حقوق کا تحفظ کر سکیں۔
منصوبہ بندی کا ایک یکساں معیار مقرر ہوا ہے اور ترقیاتی عمل کے ذریعہ غریب اور کم آمدنی والے افراد کی حالتِ زار بہتر کی جا سکے۔
بے دخلیوں کے مسئلہ کو اجاگر کرنے اور اس سلسلہ میں غریبوں کے ساتھ ہونے والے غیر منصفانہ رویہ کی نشان دہی میں یوآرسی نے اہم کردار ادا کیا ہے۔ سرکاری منصوبوں کے راستے میں آنے والی غریب آبادیوں کی مکمل بے دخلی جبکہ طاقت ور طبقہ کی آبادیوں کو بچایا جاتا ہے، معاوضہ کی ادائیگی میں غریبوں کو نظر انداز کیا جاتا ہے۔ یوآرسی نے مسلسل تحقیق اور سروے کے ذریعہ اس بات کو ثابت کیا کہ بے دخلیوں کے سلسلہ میں منصوبہ سازوں کا رویہ دہرا اور غیر منصفانہ ہے۔
انہی اضلاع میں شہری مسائل پر فورم، میٹنگ اور نیٹ ورکنگ کے کام کا بھی آغاز کیا۔ جس کے ذریعہ مقامی تنظیموں میں شہری مسائل پر بحث ومباحثہ کے لیے ایک پلیٹ فارم میسر آیا۔ ان کے سرکاری اداروں سے روابط مزید استوار کرنے میں مدد ملی۔
یوآرسی نے نوجوانوں کے لیے فنی تربیت کے مواقع پیدا کیے اور ان کو شہری مسائل سے متعلق آگاہی دینے میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ ۞

پولانی گروپ کے چیئرمین محمد یحییٰ پولانی جو کہ ایف پی سی سی آئی ایوی ایشن اینڈ سنٹرل اسٹینڈ نگ کمیٹی کے کنوینئر اور ٹریول ایجنٹس ایسوسی ایشن آف پاکستان کے چیئرمین نے پولانی گروپ کے 50 سال پورے ہونے پر ترکش ایئرلائن کے جنرل مینیجر سرٹن یون کے ساتھ کیک کاٹا۔ اس موقع پر ترکش ایئرلائن کے سیلز منیجر محمد عمر خان اور ترکش ایئرلائن ریجنل مارکیٹنگ ریپریزنٹیٹیو عمران عارف اور ان کے ساتھ پولانی گروپ کے ڈائریکٹرز عباس علی، عبدالجبار، حسن الرحمٰن، آفتاب معین، آصف خان، شہزاد عالم، مرتضیٰ موکھی، مصطفیٰ خانانی اور دیگر

ہمدرد یونیورسٹی کی چانسلر محترمہ سعدیہ راشد کا رفیدہ ہمدرد کالج آف نرسنگ کی دیے روشن کرنے اور تقریب حلف برداری کے موقع پر رجسٹرار کلیم احمد غیاث، ڈاکٹر عالیہ ناصر، مہناز ناصر، ڈاکٹر رفعت جان، افشاں نازلی، ڈاکٹر رضا الرحمٰن، پروفیسر ملاحت کلیم شیروانی، سید عمیر علی اور نرسنگ کے طلباء وطالبات اور دیگر مہمانوں کے ہمراہ گروپ

نیا سال مبارک

کراچی پورٹ ٹرسٹ میں خاص افراد کا استقبال

کراچی پورٹ ٹرسٹ کے چیئرمین سید ین رضا زیدی کی ہدایت پر معذور افراد کا خیر مقدم کیا گیا۔ ایک قابل تحسین اقدام

بے خوف ڈاکٹر ماہ رنگ بلوچ۔ راجدھانی میں

اپنے لاپتہ باپ گمشدہ بھائی کی تلاش میں بلوچ بیٹی ڈاکٹر ماہ رنگ بلوچ ایک وفد لے کر اسلام آباد پہنچ گئیں۔ ان ماﺅں بیٹیوں کا استقبال لاٹھی چارج۔ آنسو گیس اور یخ پانی سے کیا گیا۔ پوری دنیا میں پاکستان کی جگ ہنسائی ہوئی۔

نیاسال مبارک

تذکرہ کتابوں کا

خان ظفر افغانی کتاب کے دیوانے ہیں۔ کتاب کی تلاش میں رہتے ہیں۔ ’کتاب میلے‘ سے انہیں نئی توانائی نصیب ہوتی ہے۔ پسند کی کتابیں کسی نہ کسی اسٹال سے مل جاتی ہیں۔ اس بار مختلف کتابوں کا تذکرہ آپ کی خدمت میں۔ کتابیں چھپ رہی ہیں۔ پڑھی جارہی ہیں۔ ہم بھی کوشش کررہے ہیں کہ آپ کو نئی نئی کتابوں سے متعارف کراتے رہیں۔ پڑھئے اور اپنی رائے سے آگاہ کیجئے۔

’’اعتبار‘‘

پروفیسر عقیل دانش کے خاکے، تبصرے، مضامین ومقالات

☆ خان ظفر افغانی

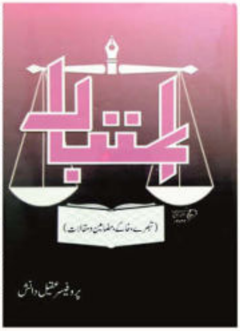

’’میں کیوں لکھتا ہوں‘‘ پروفیسر عقیل دانش اس عنوان سے بتا رہے ہیں کہ ’’فنونِ لطیفہ سے متعلق ہر فن کار اپنی ذات کا اظہار چاہتا ہے۔ مصوّر، موقلم کے ذریعے اپنے تصوّر کو کاغذ یا کینوس پر اتارتا ہے، سنگ تراش چھینی اور ہتھوڑی کے ذریعے اپنے خیال کی تجسیم کرتا ہے، رقاص اپنی اداؤں اور چھب کو ذریعہ بنا کر رقص کو مجسّ دکھانے کی کوشش کرتا ہے اور ایک قلم کار، قلم کے ذریعے خود کو صفحۂ قرطاس پر نمایاں کرتا ہے۔ یہ سب انسانی فطرت کے زاویے ہیں۔ میں لکھتا ہوں اپنی ذات کے اظہار کے لیے، اپنے خوابوں کی تجسیم کے لیے، اپنی سوچ اور فکر کو دوسروں تک پہنچانے کے لیے اور سب سے بڑھ کر معاشرے کی تطہیر کے لیے، مصائب میں گرفتار لوگوں کے مسائل پر روشنی ڈالنے کے لیے، میں کروڑوں آنکھوں میں بسنے والے خوابوں کو الفاظ کا روپ دینے کے لیے، میں لکھتا ہوں کہ چراغ روشن رہیں، بچے مسکراتے رہیں۔ میں لکھتا ہوں کہ بھوک، بیماری، قتل وغارت، دہشت ووحشت کا خاتمہ ہو، معاشرہ انسان کی فلاحی اقدار کا حامل ہو، امن وسکون کی فراوانی ہو۔‘‘

اس سوچ اور نصب العین کے حامل پروفیسر عقیل دانش کی زیرِ تذکرہ کتاب ’’اعتبار‘‘ ان کی تحریر کردہ کتابوں پر تبصرہ، خاکوں، کچھ مرحومین کے ذکر اور چند نجی کالموں کا مجموعہ ہے جو 512 صفحات پہ محیط ہے۔ اسے ’مطبوعات انشا (کراچی)‘ نے شائع کیا ہے اور قیمت ہے ہزار روپے۔ کتاب کا سرورق خالد مرزا اور حیات رضوی امروہوی اور محمد نواز خان (صدر: شعبۂ اُردو، پیٹر براہ برطانیہ) کے تحریر کردہ ہیں۔ پس ورق پر ڈاکٹر خورشید رضوی کی رائے درج ہے۔

مصنف اور ان کی تحریروں کے بارے میں ڈاکٹر شاداب احسانی، ڈاکٹر تابش مہدی، صفدر علی خان انشا اور دیگر صاحبان کی آراء کتاب کے آغاز میں پیش کی گئی ہیں۔ خاکے 77 ہیں، 6 مقالات ہیں، 10 مضامین اور 50 تبصرے ہیں۔

پروفیسر عقیل دانش، عرصہ گزرا کہ لندن میں رہتے ہیں، لندن یونیورسٹی کے شعبۂ اُردو سے وابستہ ہیں۔ نثر نگار وشاعر ہیں، ان کی خودنوشت ’’حیاتِ دانش‘‘ بھی شائع ہوچکی ہے۔ جب وہ کراچی میں تھے تو نیشنل کالج اور گورنمنٹ کالج (ناظم آباد) میں تدریس کیا کرتے تھے۔ ان کے کالم روزنامہ جنگ کراچی اور لندن کے علاوہ امریکا اور کینیڈا کے اخبارات وجرائد میں شائع ہوتے رہے ہیں۔ ان کا شعری مجموعہ ’’پیرایۂ اظہار‘‘ کے نام سے شائع ہوا۔ اُردو کے حوالے سے دو کتب شائع ہوچکی ہیں۔

انہوں نے اپنے بارے میں منظوم اظہار انکسار اس طرح کیا ہے:

میں کیا ہوں تعارف مرا کیا ہو دانش
یہ مسئلہ اس بزم میں در آیا ہے
اُردو کا میں خادم ہوں حقیقت یہ ہے
اُردو نے مری روح کو گرمایا ہے

”مہوشاں“ ماریہ مہ وش کی نظمیں، اختراعات

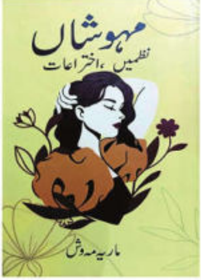

پہلے ہم معروف افسانہ نگار، مدرس، شاعر، کالم نگار، مترجم اور دیگر کئی جہتوں کے مالک زیب سندھی کی رائے پیش کررہے ہیں کہ ”جب میں نے ماریہ مہ وش کی نظمیں پڑھیں تو لگا کہ ان کی نظمیں خوب صورت خیال اور لہجے کی نفاست کی وجہ سے بہت منفرد ہیں جو نوجوان شعراء میں ماریہ کی الگ پہچان بناتی ہیں۔ ان کی نظموں کے الفاظ قطرہ قطرہ بن کر دل کی دھرتی پر برسنے لگتے ہیں۔ لگتا ہے کہ بے اختیاری کی سی کیفیت سے، نظمیں ان کے دل سے کاغذ پر منتقل ہوئی ہیں اور دل سے لکھی ہوئی نظمیں صرف کتاب میں ہی نہیں، پڑھنے اور سننے والون کے دل میں بھی محفوظ رہتی ہیں۔“

ماریہ مہ وش خان بنگش شاعرہ کے ساتھ افسانہ نگار بھی ہیں۔ جامعہ کراچی سے انہوں نے فلسفے میں ماسٹرز کیا۔ ان دنوں امریکا میں قیام پذیر ہیں اور برج میڈیا شکاگو انٹرنیشنل میں کریٹو ڈائریکٹر ہیں۔ ڈی برج انٹرنیشنل (میگزین) کی مدیرہ ہیں۔ جب کراچی میں تھیں تو ناصرہ پبلک اسکول کی پرنسپل تھیں۔ ان کا یوٹیوب چینل بھی ہے۔

مہ وش کے اس شعری مجموعے میں 96 نظمیں اور 7 اختراعات ہیں۔ زیب اذکار حسین، رفعت اسلام صدیقی، انور ظہیر رہبر، مہ جبیں آصف، پروفیسر مسرور علی قریشی اور خالد دانش کی آراء سے کتاب کے اولین صفحات سجے ہیں۔ 220 صفحات پہ محیط یہ کتاب ’سیّد پبلشرز، (قائد آباد، کراچی) نے شائع کی ہے، ناشر ہیں سید طلحہ شاہ۔ اس کا ”اعزازیہ“ درج کیا گیا ہے 800 روپے۔

مہ وش کا کہنا ہے کہ ”چوں کہ فدویہ کا قلم نثر لکھتا ہے اس لیے جب کبھی قلم کی نوک نے ذائقہ بدلنا چاہا تو نیلا تھوتھا پی کر رُخ نثری نظم کی جانب کرلیا۔ ’مہوشاں‘ میں نثری نظموں کو ڈارک پوئم میں نہیں رکھ سکتے لیکن گرے پوئم کہہ سکتے ہیں۔ اگر چہ قلم میں نیلا تھوتھا ہے تو اصولاً اسے ’ڈارک پوئم‘ ہی ہونا چاہئے تھا مگر ’مہوشاں‘ کے زیر اثر تھا اس لیے تاثیر کم تُرش ہے۔ ’مہوشاں‘ میں موجود احساسات اتنے سادہ بھی نہیں کہ یکدم عیاں ہوجائیں۔ کہیں معاشرے کی بے حسی دوشالے میں لپٹی ملے گی تو کہیں پیچیدہ خیالات کی نوا جس کو شاید آپ محسوس کرنے سے پہلے ہنسی میں اڑا دیں۔ یوں بھی نیا خیال یا نیا انداز پہلے پہل تنقید کا ہی شکار ہوتا ہے۔“

ان کی نثری نظموں کے اس مجموعے سے دَو، بطور نمونہ حاضر قارئین ہیں:

سُنو لڑکی
درد اور کرب
کاجل سے لکھا کرو
آنسوؤں سے ڈھل جائیں گے

”گھات“ کے عنوان سے:
میں اسی سے جان گئی
کہ اس کے دل میں محبت نہ رہی
جو محبت کو روک دینے کی
میں نے بات کی
تو پلٹنے میں اس نے بھی دیر نہ کی

”بے تاب بیتی“

ڈاکٹر محمد عابد عباسی کے افسانوں کا مجموعہ

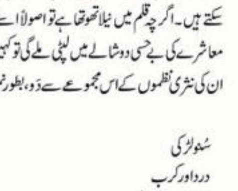

ڈاکٹر محمد عابد عباسی درس و تدریس سے وابستہ ہیں، عملی زندگی کے ابتدائی تین برس محکمہ پولیس میں گزارے، حصولِ تعلیم کا سلسلہ جاری رکھا۔ گریجویشن، ماسٹرز، ایم فل اور پھر پی ایچ ڈی کر کے ہی دم لیا۔ ان کا کہنا ہے کہ ”میرے محترم سپروائزر کہا کرتے تھے کہ میری تحریر میں ادبی رنگ زیادہ ہوتا ہے۔ وہیں سے خیال پیدا ہوا کہ بے چین کرنے والے خیالات کے اظہار کے لیے افسانوں اور کہانیوں کا سہارا لے کر دیکھتے ہیں۔ 2010 میں پہلا افسانہ ’بریانی کی پلیٹ چالیس روپے‘

لکھا جو 'ارتقا' میں شائع ہوا۔اس افسانے کو حاصل ہونے والی پسندیدگی نے ہمت بڑھائی اور پھر یہ سلسلہ چل نکلا مگر لکھنے کی رفتار بہت سست رہی۔اس وقت سے اب تک کے بارہ برسوں میں اپنے سماج اور ماحول سے سات افسانے ہی کشید کر سکا جن میں سے پانچ شائع بھی ہوئے جب کہ دو اب بھی غیر مطبوعہ ہیں۔اس کتاب میں یہ تمام افسانے جمع کر کے پیش کیے جا رہے ہیں۔''

''بے تاب بیتی'' 128 صفحات پر پھیلی ہوئی اور خود میں آٹھ افسانے سموئے ہوئے ہے: مورتی، چپل گیارہ نمبر کی، بریانی کی پلیٹ چالیس روپے، یہ جا من سندھ کے ہیں، اسے کنامت کہو، تخلیق، مجھ سے تو بیا اچھی، پور کی جلن اور پھونک۔

کتاب کے ناشر قمر آفتاب ابڑو کا کہنا ہے کہ ''ان افسانوں میں آپ کو سماج، فطرت اور زندگی کے مختلف رنگ نظر آئیں گے۔قوس وقزح کے سات رنگ ہیں لیکن عباسی صاحب کے آٹھ افسانے ہیں، ہر افسانہ اپنا الگ رنگ لیے ہوئے ہے۔ان افسانوں میں ایک قسم کا پیغام بھی ہے۔امید ہے کہ ڈاکٹر محمد عابد عباسی آئندہ بھی افسانوں سمیت مختلف اصناف ادب میں طبع آزمائی کرتے رہیں گے۔''

قارئین کرام! زیر تذکرہ اس کتاب میں پیش کیے گئے افسانے دلچسپ و فکر انگیز ہیں۔اس کتاب کو 'پیکاک بک ہاؤس (کراچی)' کے زیر اہتمام شائع کیا گیا ہے۔سندھ کے سب بڑے شہروں میں دستیاب ہے۔اس کی قیمت ہے 400 روپے۔

''انگلیاں قلم ہوئیں''

علی احمد ڈھلوں کے کالموں کا مجموعہ

علی احمد ڈھلوں، معروف کالم نگار ہیں۔انہوں نے 'روزنامہ ایکسپریس'' اور '92 نیوز'' میں اپریل 2022 تا اکتوبر 2023 میں، اپنے شائع ہونے والے کالموں کے انتخاب کو ''انگلیاں قلم ہوئیں'' کا نام دے کر کتابی شکل میں محفوظ کر دیا ہے۔ان چنیدہ کالموں کی تعداد 134 ہے جو 415 صفحات پر پھیلے ہوئے ہیں۔

کتاب کے ابتدائی صفحات، ملک کے معروف صحافیوں، کالم نویسوں اور وکلاء کی آراء سے مزین ہیں، فلیپ مظہر عباس اور اُمِ رباب کے تحریر کردہ ہیں، پس ورق پر عابد ساقی ایڈووکیٹ کی رائے درج ہے۔

علی احمد ڈھلوں کا کہنا ہے کہ '' یہ کتاب میرے چنیدہ کالموں کا مجموعہ ہے جن میں اس سسٹم، سیاسی جماعتوں اور مقتدرہ قوتوں کے غلط فیصلوں کے خلاف آواز اٹھائی ہے۔ان میں آپ کو مثبت تنقید نظر آئے گی، کیونکہ میرے خیال میں تنقید برائے تنقید سے بہتر ہے کہ تنقید برائے اصلاح کر دی جائے۔میں اکثر و بیشتر پاکستان میں ان واقعات کا ذکر کرتا نظر آؤں گا جن میں مظلوم پر تواتر سے ظلم ہوا ہو۔ان واقعات میں خاص طور پر سندھ کی بیٹی اُمِ رباب کے ساتھ ہونے والے ظلم کی داستان ہے۔اس ملک میں دیت کے قانون کا بہت زیادہ غلط استعمال کیا جاتا ہے، طاقت ور طبقہ غریب طبقے کو دبا کر، پھسلا کر اور نرغے میں لا کر صلح کر لیتا ہے اور پھر ریاست مستقل طور پر خاموش ہو جاتی ہے۔جب حالات یہ ہوں تو انگلیاں لکھتے لکھتے حقیقت میں 'قلم' ہو ہی جاتی ہیں۔''

علی احمد ڈھلوں نے اپنے کالموں میں بالا دست طبقات، حکمرانوں، ریاستی اداروں کے ظلم و جبر کے خلاف احتجاج کیا ہے۔سندھ کی بیٹی اُمِ رباب کے ساتھ ہونے والے ظلم و ناانصافی۔سانحہ ماڈل ٹاؤن، سانحہ ساہی وال، سانحہ کارساز، بلدیہ ٹاؤن کی فیکٹری کو نذر آتش کر کے سینکڑوں انسانوں کو زندہ جلا دینا، شاہ زیب قتل کیس کے مجرموں کو بری کرنا، ناظم جوکھیو کا قتل، ایف آئی اے کے ڈائریکٹر ڈاکٹر رضوان کی پُراسرار موت، ایان علی کیس کے گواہ کسٹم آفیسر کا قتل، گوجرانوالہ کے ڈی سی سہیل ٹیپو کی خودکشی کا واقعہ، سیاست اور نظام سے جڑے واقعات۔یہ سب کچھ ان کے کالموں میں نظر آتا ہے۔

علی احمد ڈھلوں کی اس کتاب کے بارے میں معروف قانون گو علی احمد کرد کہتے ہیں کہ ''بغیر کسی لگی لپٹی کے، میں یہ بات کہہ رہا ہوں کہ واقعی یہ کتاب پڑھنے کے لائق ہے۔اور مجھے افسوس ہو رہا ہے کہ یہ تمام کالم میں نے پہلے کیوں نہیں پڑھے۔یہ کتاب پاکستان کی ایک مکمل تاریخ ہے کہ ہم کب اور کہاں، کیا گل کھلاتے رہے اور کتنی چھوٹی سوچ کا مظاہرہ کرتے رہے ہیں۔''

علی احمد ڈھلوں کے کالموں کے بارے میں امتیاز عالم، ایاز امیر اور راجہ ذوالقرنین نے اپنی آراء کا اظہار کیا ہے کہ ان کا انداز بیاں سلیس اور عام فہم ہے۔انہوں نے ساری صورت حال کو ذمہ دارانہ، دو رُخی کو بیان کیا ہے، تحقیق سے بھرپور اور بہترین کتاب ہے۔

”بکھرے اشک“ شرجیل بلوچ کے فن کی نمائش

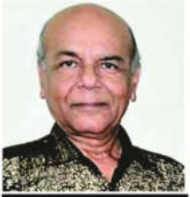

☆ خان ظفر افغانی

شرجیل بلوچ معروف فنکار ہیں اور ان کے فن کی مختلف جہتیں ہیں۔ وہ کاغذ پہ، کینوس پہ رنگ پھیلا کر اپنی سوچ، احساسات، مشاہدے کا

اظہار کرتے ہیں، وہاں وہ ٹی وی پر اداکاری بھی کرتے ہیں، فلمیں بناتے ہیں، دستاویزی فلمیں بنا کر اندرون و بیرون ملک مختلف اعزازات بھی حاصل کر چکے ہیں۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ وہ سماجی کارکن ہیں۔

گزشتہ ماہ دسمبر میں، شرجیل کے واٹر کلر کام کی یک نفری نمائش فرانسیسی ثقافتی مرکز ”الیانز فرانس کراچی“ میں منعقد ہوئی۔ اس سے پہلے وہ کئی گروپ شوز میں اپنی فنی کاوشوں کو شائقین فن کے سامنے پیش کر چکے ہیں۔

کوئٹہ میں پیدا ہونے والے اور اب کراچی میں اقامت پذیر شرجیل بلوچ نے اپنے مختلف الجہت کام سے ملک کا نام روشن کیا ہے۔ 2007 سے 2018 تک انہوں نے بی بی سی اُردو پاکستان کے لیے پہلے ’آن لائن وڈیو پروڈیوسر‘ کی حیثیت سے خدمات انجام دی ہیں۔ انہوں نے دستاویزی فلم میکر کا بین الاقوامی ایوارڈ حاصل کیا۔ 2012 میں وہ امریکی قونصل خانے کی طرف سے ”یو ایس کلچرل ایکسچینج پروگرام“ کے لیے بحیثیت دستاویزی فلم ساز منتخب ہوئے تھے۔ 2008 پی ٹی وی ڈراما اسپیشل میں ان کی بنائی ہوئی مختصر دورانیے کی فلم ”غیرت مند“ کا

انتخاب کیا گیا تھا۔ 2009 میں، کھٹمنڈو نیپال میں منعقدہ، سینما فلم فیسٹیول، ان کی تیار کردہ دستاویزی فلم شرجیل کو ”بہترین

دستاویزی فلم ساز'' کا ایوارڈ ملا تھا۔2018 میں انہوں نے اٹلی میں منعقدہ 'فیبریانو واٹر کلر نمائش میں پاکستان کی نمائندگی کی

تھی۔ حال ہی میں انہوں نے حکومت سندھ کی وزارت سیاحت، ثقافت و قومی ورثہ کے لیے 'موہن جو دڑو' کے عنوان سے

دستاویزی فلم بنائی ہے۔ ان کے کام اور اعزازات کی طویل فہرست ہے۔

2022 میں بلوچستان میں آنے والے سیلاب کی تباہ کاری سے متاثرہ دور دراز علاقوں میں جا کر انہوں نے خدمات انجام دیں، متاثرہ فراد کے لیے خوراک اور دیگر اشیا ضرورت پہنچانے کا رضا کارانہ کام کیا، متاثرین کی مشکلات کو دیکھا، ان

کے دُکھ درد کو محسوس کیا جو ان کی واٹر کلر کاوشوں میں نظر آتا ہے۔ یہی لینڈ اسکیپ، ان کی واٹر کلر نمائش میں پیش کیا گیا ہے۔

شرجیل بلوچ کی اس یک نفری نمائش میں فنکاروں، شائقینِ فن

کی کثیر تعداد موجود تھی جن میں تنویر فاروقی، فرخ شہاب، مہتاب علی، جی این قاضی، عباس کمانگر، ظفر صدیقی، چترا پریتم، ثمینہ ممتاز، انا الحق، اے ایس رند، فیکا، رحمت خان، سٹی آرٹ گیلری کے سلیم احمد، ڈریم آرٹ گیلری راشد حسین نمایاں تھے۔ نمائش کو شیراز فیصل نے کیوریٹ کیا تھا۔

''پاکستان لائبریری'' کا وطن عزیز میں قیام

101 کتب جن کی مالیت دو لاکھ روپے ہے صرف تیس ہزار روپے **(Rs:30,000)** میں حاصل کریں۔ پاکستان لائبریری کے نام سے اپنے گھر، محلے، گاؤں، ہسپتال، جیل خانہ جات، کالونی، سکول، کالج، یونی ورسٹی میں اور اپنی اپنی مادرِ علمی میں، اپنے والدین، قومی ہیروز اور اپنے پیاروں کے نام پر یہ کتب خرید کر لائبریری قائم کریں۔

قدم بڑھائیں ،لائبریری بنائیں
کتابیں ایک سو ایک،مقصد اعلیٰ اور نیک

قلم فاؤنڈیشن انٹرنیشنل

یثرب کالونی، بینک سٹاپ، والٹن روڈ، لاہور کینٹ

ای میل:qalamfoundation2@gmail.com 0300-0515101 / 0309-4105484

EBH

TRULY TERRIFIC

PURE LEATHER LUXURY
UPPERS, LINING AND SOLE
TRADITIONAL WORKMANSHIP

ONLY AVAILABLE AT
EBH, ZAIBUNISSA STREET , SADDAR

Bridging Extremes Monthly "ATRAAF" Karachi JANUARY 2024

Regd No. MC - 1398 ☎ 0300-8210636 ✉ www.Atraafmagazine.com

Universal Account Number : 03-111-155-530

www.binahsanbuildersanddevelopers.com

HEAD OFFICE LOCATION : OFFICE # 59,60 1ST FLOOR JABL-E-REHMAT TOWER ,GULISTAN-E-JAUHAR BLOCK 16A